سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیِ اردو (ہند) نمبر ۸۳

انشائے داغ

مرتبہ

سید علی احسن صاحب احسن مارہروی

شائع کردہ

انجمن ترقیِ اردو (ہند) دہلی

سنہ ۱۹۴۱ء

قیمت

سلسلۂ انجمن ترقی اُردو نمبر ۱۵۳

انشاے داغ

۵۸ ھ ۱۳

یعنی

جہاں استاد ناظم الدولہ نواب فصیح الملک بہادر

میرزا داغ دہلوی کے

خطوں کا مجموعہ

مرتّبہٗ

مولانا سیّد علی احسن صاحب احسؔن مارہروی

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

۱۹۴۱ء

فہرست مضامین

	نمبر صفحہ	
مقدمہ	۱	۱۴
فصل اوّل		
والیان ریاست، حکام، عمال اور امرا کے نام		
بنام فردوس مکان نواب یوسف علی خاں والی رام پور	۱	۶
بنام نواب کلب علی خاں خلد آشیاں	۷	۱۱
بنام منشی سیل چند میر منشی نواب خلد آشیاں (رامپور)	۱۱	۱۲
بنام نواب خلد آشیاں (رامپور)	۱۲	۱۴
بنام منشی سیل چند مسبوق الذکر	۱۴	
بنام نواب خلد آشیاں	۱۵	۲۳
بنام منشی سیل چند مسبوق الذکر	۲۳	۲۴
بنام خلد آشیاں (رام پور)	۲۵	۳۳
بنام نواب مشتاق علی خاں عرش آشیاں والی رام پور	۳۳	۳۴
بنام حضور پرنور آصفجاہ سادس فرماں روائے دکن	۳۵	
بنام یمین السلطنۃ سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر مدارالمہام دکن	۳۶	۳۷
بنام نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین	۳۷	۳۸

	نمبر صفحہ	
بنام مصاحب یمین السلطنۃ مہاراجہ مدار المہام بہادر دکن	۳۸	۳۹
بنام مہتمم کروڑ گیری حیدر آباد دکن	۳۹	۴۰
بنام سید جعفر علی خاں عرف پیارے صاحب شمس آباد (فرخ آباد)	۴۰	۴۱
بنام نواب حیدر علی خاں صاحب برادرِ خُرد خلد آشیاں نواب کلب علی خاں والی رام پور	۴۱	۴۲

فصل دوم

مخصوص اعزّہ، خاص احبا اور عام شناسا و تلامذہ کے نام

بنام مسماۃ عزیزہ بیگم صاحبہ	۴۳	۴۶
بنام مسماۃ اولیا بیگم صاحبہ	۴۶	۴۸
بنام سید بہادر حسین خاں انجم نیشاپوری لکھنوی	۴۸	۵۳
بنام کنور اعتماد علی خاں رئیس سعد آباد ضلع متھرا	۵۳	۵۶
بنام مرزا امام علی افسوس		۵۷
بنام کنور اعتماد علی خاں رئیس سعد آباد	۵۷	۶۵
بنام نعیم الحق آزاد شیخو پور (گورکھپور)	۶۵	۶۶
بنام نبی جان طوائف (الہ آباد)	۶۶	۶۸
بنام نواب میر حسن علی خاں جاگیردار (حیدر آباد)	۶۸	۶۹
بنام قاضی عبد الحمید محمدن میرج رجسٹرار کلکتہ	۶۹	۷۰
بنام میر حسن علی خاں جاگیردار مسبوق الذکر	۷۱	۸۳
تقریظ خیابانِ فارس مترجمہ مولوی ظفر علیؒ خاں	۸۳	۸۵

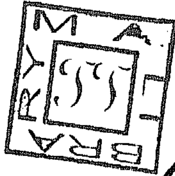
	نمبر صفحہ
بنام حکیم قمرالدین تاج پوری	۸۶ ۸۷
بنام محمد رضا خاں	۸۷ ۸۸
بنام منشی محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار پنجۂ فولاد لاہور	۸۸ ۸۹
بنام نواب عزیز یار جنگ بہادر اول تعلقدار صرف خاص (حیدرآباد دکن)	۸۹ ۹۱
بنام محمد عبدالحمید ساکن نارہ (الہ آباد)	۹۱ ۹۲
بنام ابوالحسن فرزند نوح ناروی	۹۳ ۹۴

فصل سوم

شاگردوں کے نام (بسلسلۂ شاعری)

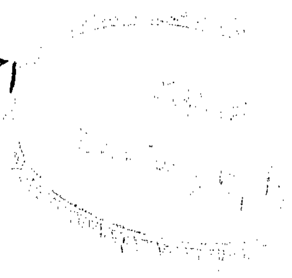
	نمبر صفحہ
بنام سید وحیدالدین بیخود دہلوی	۹۵ ۱۰۵
بنام لقمان الدولہ دل (حیدرآبادی)	۱۰۵ ۱۰۶
بنام صاحبزادہ مشرف یار خاں شرف (جاورہ)	۱۰۶ ۱۰۸
بنام محمود خاں محمود رامپوری	۱۰۸ ۱۱۵
بنام معشوق حسین اطہر ہاپوڑی	۱۱۶
بنام محمد تحسین بیدل بجنوری	۱۱۷
بنام سید محمد اصغر حسین عرف لاڈلے صاحب شمس آباد	۱۱۷ ۱۱۹
بنام اکبر علی خاں افسوں شاہجہاں پوری	۱۱۹
بنام منشی محمد الدین فوق لاہوری	۱۲۰ ۱۲۱
بنام دیبی پرشاد مائل ساکن مین پوری	۱۲۱ ۱۲۳

	نمبر صفحہ	
بنام مولوی سید ابوالحسن ناطق گلاوٹھی	۱۲۳	۱۲۴
بنام مولوی ذوالفقار علی خاں گوہر رامپوری	۱۲۵	۱۲۷
بنام سیّد نذیر احسن نسیم ہلسوی	۱۲۷	۱۲۸
بنام سیّد امیر حسن دلبر مارہروی	۱۲۸	۱۲۹
بنام احسن مارہروی	۱۲۹	۱۶۲





احسن مارہروی مرحوم







مقدّمہ

قدرت جب کسی کو شہرت و ناموری کی دولت عطا کرتی ہے تو اس کے معاصرین و متعاقبین اس کی معمولی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر امتیاز سے دیکھتے ہیں اور بڑے شوق و شغف سے سنتے ہیں۔

مشاہیر کے رطب و یابس واقعات کی گرداوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہر وقت اُن کے ساتھ رہا نہ جائے اور رات دن کی ملاقاتوں اور نشستوں میں اوقات نہ گزارے جائیں، لیکن ایسا موقع ہر شخص کو کہاں مل سکتا ہے کہ تمام عمر شبانہ روز اُٹھتے بیٹھتے اُن کا جلیس و انیس رہے اور اُن کے تمام معمولات و حالات کو ناقدانہ نگاہوں سے دیکھے اور پھر مدت مدید تک اُنھیں یاد رکھے اور پھر دوسروں کے لیے تاریخ، سوانح یا افسانے کی صورت میں پیش کرے۔

اس خیال کی تکمیل ایک حد تک کسی نامور کے سوانح حیات سے ہو سکتی ہے مگر اس سوانح عمری میں واقعات کی ظاہری اور سطحی تصویر تو کھنچ سکتی ہے، صاحب سوانح کے باطنی اور اندرونی جذبات کے نقش و نگار نہیں اُبھر سکتے کیونکہ اس میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سوانح نگار کے الفاظ میں ہوتا ہے صاحب سوانح کی زبان میں نہیں ہوتا، البتہ خطوط اور اسی قسم کی دوسری انشا پردازیاں ایسی مکمل اور منظم دستاویزیں ہوتی ہیں جن کو پڑھ کر صاحب تحریر کا مذاق، مزاج، رجحان اور تمام وہ باتیں جن کی تلاش

کسی مشہور ہستی میں کی جاتی ہے اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہیں کیونکہ خط لکھنے والے کو خط لکھتے وقت یہ خیال نہیں ہوتا کہ میری یہ تحریر معرضِ تشہیر میں آنے والی ہے بلکہ اُس کو اطمینان ہوتا ہے کہ یہ نجی تحریریں جو اپنے کسی عزیز یا دوست کو لکھی جا رہی ہیں وہ لوگ ان کے محافظ و امین بنیں گے اور انھیں تک ان کے اثرات قائم و باقی رہیں گے۔ لیکن اِس کُلیے کے ماتحت، کہ ہر نام آور ہستی کی معمولی بات، غیر معمولی اور بے حقیقت چیز ایک حقیقت سمجھی جاتی ہے، یہ نجی تحریریں بھی جو سراپا بے ساختگی کا جامہ پہنے ہوئے ہوتی ہیں آیندہ چل کر ساخت اور پرداخت کے زیوروں سے آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں اور جن باتوں کی اوّل اوّل کوئی وقعت اور پروا نہیں کی جاتی ہے وہی آخر آخر واقعہ نویسی کی جان اور حقیقت نگاری کی روح مانی جاتی ہیں۔

ہر تحریر اور تقریر اپنے موقع اور ماحول کے لحاظ سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے، زبان سب کی ایک ہوتی ہے مگر طرز ادا کی شان ہر جگہ نئی نظر آتی ہے۔ ایک مورّخ جب تاریخ لکھتا ہے تو اس تالیف میں واقعات کی مناسبت سے ایسی ادبی بول چال استعمال کی جاتی ہے جو ناولوں اور کہانیوں سے الگ ہوتی ہے، اسی طرح فلسفہ و سائنس و دیگر علوم و فنون کی تصنیفیں اپنے اسالیب بیان کے لحاظ سے متاثر شکلوں میں نظر آتی ہیں۔ ان سب علمی مضامین کو مصنفین قلم برداشتہ نہیں لکھتے بلکہ غور و فکر، تلاش و تجسّس اور ترمیم و اصلاح کے بعد مناسب اور حسب موقع عبارت آرائی سے کام لیتے ہیں جن میں باوجود بے ساختگی کے ساخت پائی جاتی ہے برخلاف اس کے خطوط جب لکھے یا لکھوائے

جاتے ہیں تو اُن میں کسی سوچ بچار کی ضرورت نہیں پڑتی. مکتوب الیہم کی شخصیت اور حیثیت اور جواب طلب امور کی نوعیت کے مطابق اُسی انداز و طریق سے خطوط لکھے جاتے ہیں جس ترکیب و روش سے باہم بالمشافہ مکالمت ہوا کرتی ہے۔ جن خطوط میں بے ساختگی اور برجستگی نہیں ہوتی وہ یقیناً غور و خوض اور فکر و تامل کی امداد سے لکھے جاتے ہیں، اُن میں اگرچہ انشا پردازی کے عناصر ہونے سے ادبی لطافتیں اور فنی خصوصیتیں زیادہ نمایاں ہوجاتی ہیں مگر وہ طبعی ذکاوت اور ذہنی جودت مفقود ہوجاتی ہے جو صاحب تحریر کے مزاج میں منجانب قدرت ودیعت ہوتی ہے۔

اگر ہم کسی نامور کی، ذاتی شوخی، سنجیدگی، متانت، ظرافت، ثقاہت، خوش مزاجی، شگفتہ طبعی، برہمی، عجز و انکسار، غضبناکی، خشونت و یبوست اور دوسری حسیات کی صحیح جانچ پڑتال کرنی چاہیں اور اس کو دیکھے بغیر اُس کی عادتوں اور خصلتوں اور میلان و رجحان کو سمجھنا چاہیں تو اس کے لیے خطوط کے علاوہ دوسری کوئی تصنیف و تالیف کام نہیں آسکتی۔ دوسروں کی لکھی ہوئی لائف سے اس کے نظام اوقات اور تمام معمولات تو معلوم ہوجائیں گے مگر یہ علم نہ ہوسکے گا کہ ان مواقع پر اس کا صحیح وجدان اور اصلی رجحان کیا ہے۔ یہ باتیں اگر صاف صاف، بے غلّ و غش آئینے کی طرح نظر آسکتی ہیں تو اُن نجی تحریروں ہی میں نظر آسکتی ہیں جن کو ایک صاحب قلم نے اپنے بے تکلفانہ اندازِ رقم کے ساتھ سینے سے نکال کر سفینے میں رکھ دیا ہے۔

فصیح الملک مرزا داغ دہلوی اُن نامور ہستیوں میں ہیں جن کے نام سے ہندستان کا ہر لکھا پڑھا عموماً اور اُن کے کلام سے ادبستان شعر و سخن کا ہر چھوٹا بڑا خصوصاً واقف و آگاہ ہے۔ لیکن یہ واقفیت و آگاہی زیادہ تر اُن کی غزل گوئی تک محدود ہے، بہت کم بلکہ بالکل کم اشخاص ہوں گے جنھیں یہ معلوم ہو کہ وہ نثر میں بھی اُنھیں شوخیوں، رنگینیوں اور سلاست و لطافت سے کام لیتے تھے جن کی بدولت ان کی تمام شاعری نے خصوصی دلکشی و دلاویزی حاصل کی ہے۔ جس نے اُن کی بات چیت سنی ہے اُسے معلوم ہے کہ وہ معمولی معمولی باتوں میں ایسے چٹکلے اور لطیفے کہہ جاتے تھے کہ سننے والے پہروں اُن کا مزہ لیتے تھے۔ وہ کوئی مشہور و معروف انشا پرداز نہیں تھے، انھوں نے نثر میں کوئی تالیف اپنی یادگار نہیں چھوڑی مگر جب گفتگو کرتے تھے تو اس کی برجستگی و بے ساختگی دلوں کو موہ لیتی تھی اور سامعین ہمہ تن محو ہو کر سنتے تھے۔ وہ اگر مختصر سا مختصر رقعہ بھی لکھواتے تو اس میں بھی پوری دل چسپی کا لاسا موجود ہوتا تھا۔

راقم الحروف جب حیدر آباد گیا اور چند سال تک شبانہ روز اُن کی خدمت میں حاضر رہا اسی وقت سے یہ خیال دل نشیں ہوا کہ موصوف کی باتوں کو قلم بند کیا جائے اور نظم کی طرح نثر کے نمونے بھی ملک و اہل ملک کے سامنے پیش کیے جائیں۔ اس خیال کے پیدا ہونے کے بعد پہلا کام یہ شروع کیا کہ اُن کے سوانح حیات مرتب کیے اور تمام حالات و واقعات خود اُن کی زبان سے سن کر یکجا کیے اور ان کو **جلوۂ داغ** کے نام سے شائع کیا جس کی تاریخ و تالیف خود مرحوم نے مرقوم فرمائی۔

زندگی کے مری احسنؔ نے سوانح لکھے　　عمر کے باغ کا یہ آنکھ سے جلوہ دیکھو
داغؔ نے مصرع تاریخ کہا برجستہ　　جلوۂ داغ کا یہ آنکھ سے جلوہ دیکھو

۱۳　　ھ　　۲۰

اُسی زمانے میں میرے قریب عزیز سید افتخار عالم مرحوم مؤلف حیاۃ النذیر وغیرہ جو میرے ساتھ حیدرآباد میں قیام پزیر تھے اور استادِ مرحوم کی خدمت میں میری طرح رات دن حاضر باش رہتے تھے انھوں نے روزنامچے کی طرح اُن کے واقعات قلم بند کرنے شروع کیے۔ یہ مجموعہ پونے دوسو صفحوں تک پہنچا تھا کہ وہ وطن چلے آئے اور میں زیادہ تر فصیح اللغات کی ترتیب وتالیف میں مصروف ومنہمک ہوگیا، یہاں تک کہ میں بھی بعض جائدادی ضرورتوں کے انجام دینے کی غرض سے کچھ دنوں کے قصد سے وطن آیا مگر ایسا آیا کہ پھر جا نہ سکا، اور مرحوم استاد جنھیں فصیح اللغات کی تالیف سے خاص شغف ہوگیا تھا میری واپسی سے مایوس ہوکر بہت زیادہ متاسّف رہنے لگے اور وقتاً فوقتاً اپنی ناراضی کا اظہار فرماتے رہے جس کی مفصل حالت اُن خطوط سے معلوم ہوگی جو اس مجموعہ میں اپنی اپنی جگہ مندرج ہیں۔ اسی زمانہ تالیف وتصنیف میں روزنامچے کی طرح موصوف کے خطوط جمع کرنے کا خیال بھی قائم ہوا اور جتنے خطوط اپنے پاس تھے اُنھیں محفوظ رکھنے کی کوشش شروع کی اور دوسرے احباب اور خواجہ تاش بھائیوں سے فرمائشیں جاری رکھیں۔ مگر انقلابات وقت اور تغیر حالات نے پے درپے برسوں تک ایسے مسلسل موانع اور یکے بعد دیگرے مخالف سامان جمع کردیے کہ ارادہ اُس وقت قوّۃ سے فعل میں نہ آسکا، ۱۹۰۵ء ۱۳۲۲ھ میں مرحوم کا انتقال

ہوگیا اور ہیں کہ حیدر آباد کے لیے پا برکاب تھا دل شکستہ ہوکر لاہور چلا گیا، دو برس گزار کر پھر وطن واپس ہوا اب میری برگشتہ بختی سے میرے ایک بزرگ خاندان نے اپنے انتقال سے مجھے ایسے جنجالوں اور وبالوں میں پھنسا دیا کہ اس شکنجے سے نکلنے تک تمام قلمی و ادبی کاروبار درہم برہم ہوگیا اور اب تک کہ ربع صدی سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہی یکسوئی نصیب نہیں اور آئیندہ امید کہ تا دم مرگ نشاط زندگی حاصل کرسکوں گا الیاس احدی الراحتین کے ماتحت بقول مرزا غالب

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہی
طراوتِ چمن و خوبی ہوا کہیے

موجودہ حالت کو غنیمت جان کر جتنا ذخیرہ استاد مرحوم کے خطوط کا دست بُردِ انقلاب اور غارت گریِ غفلت سے بچ رہا ہی اس کو بجائے ضائع کرنے کے شائع کیا جاتا ہی۔ حتی الامکان اس وقت بھی بہت کوشش کی گئی ہی کہ مرحوم کے تلامذہ و احباب سے جس قدر خطوط مل سکیں اس مجموعے میں شامل ہوجائیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہی کہ باوجود کافی سعی و کاوش کے اپنے خواجہ تاش بھائیوں سے خاطرخواہ سرمایہ بہم نہیں پہنچ سکا، خود میرے پاس کے چند بہترین خطوط تفرقۂ اوقات کی وجہ سے ردیوں میں مل کر نیست و نابود ہوگئے، نیز تلامذۂ قدیم کے نام جو خطوط تھے وہ اکثروں کے انتقال کی وجہ سے اور کمتروں کی ناقدری یا بے پروائی کے سبب تلف ہوگئے۔ بعض مشاہیر سے میرے علم و یقین میں مدّتوں تک خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا، لیکن ایسے نمونے بھی بہت کم ہاتھ آئے، بہرحال کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بھی بہت غنیمت ہی

اس لیے امید ہے کہ ارباب ادب اور اصحاب فن اتنے نمونوں میں بھی دل چسپی کا کافی سامان پائیں گے۔ ممکن ہے اگر میں زندہ رہا اور دوبارہ اس مجموعے کو طباعت کا موقع ملا اور اس حصے کے شائع ہو جانے کے بعد بھولے ہوؤں کو اپنے شفیق استاد کی یاد آئی تو بہت کچھ اضافے کی توقع ہے۔

مرزا داغ کی خصوصیات

خطوط نویسی

مرحوم کی یہ عادت تھی کہ اپنے دست و قلم سے بہت کم خط لکھتے تھے۔ مگر بارگاہ حضور نظام میں جو تحریر یا عرضی بھیجتے اس کو لازماً اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ شاہی کلام بھی خود دیکھتے اور خود ہی اس پر اصلاحی الفاظ درج کرتے۔ اسی طرح یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد اور بعض امرائے عظام کو بھی آپ ہی رقعہ جات لکھتے، باقی عام شاگردوں اور دوستوں کو زیادہ تر کسی حاضر باش شاگرد سے خطوط لکھوائے جاتے۔ تلامذہ کے کلام پر جو اصلاحی الفاظ لکھے جاتے، اگرچہ وہ انھیں کے بتائے ہوئے ہوتے مگر عموماً وہ بھی دوسروں کے لکھے ہوئے ہوتے تھے۔ اور جب کبھی خود لکھتے تو اکثر اُسی خط کے کسی گوشے یا بین السطور میں سرخ روشنائی سے چھوٹے چھوٹے فقرے اور اصلاحی الفاظ لکھتے جاتے تھے۔ خطوط بہت لمبے چوڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اُن میں بہت مختصر اور چست فقرے قلم بند کیے جاتے تھے۔

موسم سرما میں یہ کام عموماً بعد مغرب شروع ہوتا اور کھانے کے وقت تک کبھی کھانے کے بعد تک جاری رہتا۔ دوسرے

موسموں میں حسبِ موقع جب طبیعت بحال ہوتی تو ایسا ہوا کرتا تھا۔

ہر خط پر خواہ دوسرے سے لکھوایا گیا ہو خواہ خود لکھا ہو اپنے ہاتھ سے دستخط ضرور کیا کرتے تھے۔ کبھی دستخط کی جگہ خالی مہر بھی لگا دی جاتی تھی، کبھی مہر اور دستخط دونوں ہوتے تھے۔

جب تک دربارِ دکن سے خطابات عطا نہیں ہوئے تھے اُس وقت تک نواب مرزا داغ دہلوی، یا صرف داغ دہلوی تحریر ہوتا۔ مگر خطاب یابی کے بعد بالالتزام فصیح الملک داغ لکھا جاتا تھا۔ مہریں دو قسم کی دیکھی گئیں، ایک پر صرف "داغ دہلوی" کُھدا ہوا تھا۔ دوسری پر جو ۱۳۱۲ھ ہجری کی کھدی ہوئی تھی، "فصیح الملک بہادر" اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں اس شکل سے کندہ تھا:۔

فصیح الملک بہادر

۱۲ ۱۳

FAZIHUL MULK BAHDUR

خطوں میں دستخط کے ساتھ تاریخ، سنہ اور دن اکثر لکھا جاتا تھا، ابتدائی زمانے کے خطوط میں کہیں کہیں ہجری سنہ اور مہینے پائے گئے ورنہ اکثر عیسوی مہینا اور سنہ پایا گیا۔

مرحوم کا خط مشقی خط تھا جس کو دہلی کے مشہور خطاط میر پنجہ کش کی شاگردی سے حاصل کیا تھا۔

جب کبھی انھوں نے ہاتھ سنبھال کر کچھ لکھا تو اس سے پوری طرح پختگی کی شان ظاہر ہوتی تھی، مگر چوں کہ لکھنے کی عادت بہت کم تھی اور

پیرانہ سالی کی وجہ سے گرفت قلم میں پوری قوت صرف نہیں ہو سکتی تھی اس وجہ سے اُن کے سوادِ تحریر میں شکستگی کی شان زیادہ نمایاں رہتی تھی، جن لوگوں کو ان کی تحریروں کے پڑھنے کا ملکہ کم تھا وہ اکثر جا بجا پڑھنے سے مجبور ہو جاتے تھے۔

جس طرح وہ شعر کہنے میں زیادہ توقف و تامل نہیں کرتے تھے اور عام شعرا کی طرح دیر تک سر در گریباں نہیں رہتے تھے اسی طرح خط لکھنے یا لکھوانے میں غور و فکر کے عادی نہ تھے۔ سوچ سوچ کر ایک ایک جملہ نہیں بولتے تھے بلکہ بے تکلف اور بے ساختہ لکھواتے چلے جاتے تھے۔ یہ بھی نہیں دیکھا گیا کہ بعض لوگوں کی طرح پہلے کوئی فقرہ غلط لکھوا دیا یا جلدی میں بول دیا اور پھر اُس کو قلم زد کیا گیا۔ بلکہ وہ جو کچھ بولتے اور لکھواتے وہ سمجھ سوچ کر بولتے اور لکھواتے تھے جس میں پھر ردّ و بدل کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ اسی مفہوم کو انھوں نے اپنی غزل کے ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے:۔

سمجھو پتھر کی تم لکیر اُسے جو ہماری زبان سے نکلا

اُن کے بعض بعض خطوط میں کہیں کہیں لفظی بے ربطی یا املائی غلطی پائی جاتی تھی۔ مگر فی الحقیقۃ وہ اُن کی غلطی نہیں ہوتی تھی بلکہ کاتب کی غفلت یا غلط سماعت کی وجہ سے ایسا ہو جاتا تھا اور چوں کہ لکھنے والے کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی تھی، جو لکھنے والا وقت پر موجود ہوا اسی سے یہ کام لے لیا جاتا تھا، جس میں کبھی کبھی کم سواد بھی کاتب بن جاتے تھے اور انھیں کے سبب سے ایسی غلطیاں ہو جاتی تھیں۔

خطوط لکھنے یا لکھوانے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا تھا

اور اس کے لیے خلوت و تنہائی کا انتظار نہیں کیا جاتا تھا بلکہ عام جلسے میں جس طرح وہ فکر سخن کیا کرتے تھے اُسی انداز سے خط و کتابت کا بھی سلسلہ جاری رہتا تھا اب اس میں خواہ غیر شاعرانہ اعزّہ و احباب کو خط لکھوائے جائیں خواہ اصلاح شاعری کے ضمن میں شاگردوں کے لیے کوئی تحریر ہو۔

راقم الحروف نے اپنے زمانۂ قیام میں بکثرت ایسے خطوط پائے جو شاگردوں نے اپنی غزلوں کی اصلاحوں کے متعلق مختلف مقامات سے مختلف اوقات میں بھیجے تھے اور سالہا سال گزر چکے تھے کہ وہ جوابوں سے محروم بلکہ مایوس ہوکر الماریوں کے خانوں میں لب بستہ پڑے ہوئے تھے، وہ سب نکلوائے گئے اور قید تنہائی سے نجات دلوا کر مجلس آرائی کا سامان کیا گیا۔ سیکڑوں خطوں کے جوابات لکھوائے گئے اور ہزاروں غزلوں پر اصلاحیں کی گئیں۔ اس عملدرامد کا سلسلہ برسوں تک جاری رہا، جس میں روزانہ تقریبًا ۱۰- ۱۵ جوابوں کا اوسط پڑ جاتا تھا۔

درحقیقت وہ طبعًا کاہل نہ تھے بلکہ گرد و پیش کے حالات یا تفکرات یا امراض اور بالآخر جلیسوں اور ہم نشینوں کے عدم رجحان کی وجہ سے وہ بھی غافل اور بے پروا ہو جاتے تھے ورنہ یہ دیکھا کہ جب اُن کو ایسے فائدہ بخش کاموں کی طرف متوجہ کیا گیا تو وہ بہت شوق اور التزام و انہماک کے ساتھ اُن میں مشغول و مصروف رہتے اور بسا اوقات خود تقاضا کر کے مدتوں کے پڑے ہوئے یا روزانہ کے آئے ہوئے خطوط کے جوابات لکھواتے تھے۔

عموماً اور معمولاً شاگرد جواب کے لیے لفافہ یا ٹکٹ نہیں بھیجتے تھے اور باوجودے کہ اکثر روزانہ درجن ڈیڑھ درجن جوابات جاتے رہتے تھے، مگر کبھی ایسی چھوٹی اور خفیف بات کا خیال نہیں ہوتا تھا اور ہمیشہ اپنے پاس سے پیڈ خط بھجوایا جاتا تھا۔

راقم نے اپنے زمانۂ قیام میں یہ التزام رکھا تھا کہ خطوط کے لیے یادداشت کا ایک رجسٹر بنوالیا تھا جس میں خطوط کی روانگی نمبروار درج کی جاتی تھی۔ یہ دستور بہت دنوں تک جاری رہا اور میں نے اپنے حیدرآباد سے چلے آنے کے بعد بھی ایسے خطوط پائے اور دیکھے جن پر رجسٹر کا نمبر چڑھا ہوا ہوتا تھا۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے وہ اکثر جوابات شاگردوں کی غزل کے کاغذ ہی پر لکھواتے یا لکھتے تھے، جو چند سطروں سے زیادہ نہیں ہوتے تھے، البتہ اصلاح کے علاوہ دوسرے مطالب کے لیے کچھ طول ہو جاتا تھا مگر نہ اتنا جو فضول اور بے کار ہو جس کا ثبوت اس مجموعے کے بعض خطوط میں ملے گا۔

خط جس قسم کے ہوتے اور مکتوب الیہم جو حیثیت رکھتے اُن میں حفظ مراتب کا لحاظ ضرور کیا جاتا۔ خانگی اور معمولی باتوں کے علاوہ جب کہیں تذکرۂ عشق و عاشقی اور تبصرۂ حسن و جمال کا پہلو نکل جاتا اور مخاطب معشوقانہ انداز و ادا کا سرمایہ دار ہوتا تو اس خط میں وہ بے شوخی کیے نہیں چوکتے تھے۔

شیخ روزہ دار ہو یا رندِ بادہ خوار، دنیا دار ہو یا دین دار، من حیث النوع سب انسان ہیں اور سب کے پہلوؤں میں دل ہے

اور ہر دل میں فطری اور تخلیقی جذبات وحسیات موجود ہیں۔غم وافسوس کے موقع پر سب مغموم ومتاسّف ہوتے ہیں، عشرت و مسرت کی محفل آرائی میں سب شاد ومسرور رہتے ہیں۔ جلوت میں سب تکلّف برتتے ہیں مگر خلوت میں سب بے تکلّف ہوجاتے ہیں۔ زہّاد و عبّاد ہوں یا عیاش وآزاد اس فطری اور پیدائشی ترتیبی نظام کے سب پابند ہیں۔ بچپن میں کوئی جوانی کی دیوانگی نہیں دکھاسکتا۔ بڑھاپے میں کوئی شباب کی امنگیں نہیں پیدا کرسکتا اب رہی جوانی اس کی بابت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ پہلے ہی سے فرماگئے ہیں کہ "در ایّام جوانی چناں کہ افتد دانی" ان استعارات واشارات سے مدّعا یہ ہے کہ وہ خطوط جو نجی طور پر بے تکلف احباب و وآشنا کو لکھے جاتے ہیں اُن میں اکثر اور بیشتر ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کو اجنبیوں اور غیروں کے سامنے نہیں کہا جاتا، اوراگرچہ تقاضائے تہذیب یہ ہے کہ دوسرے بھی اُن باتوں کو دوسروں کے سامنے نہ دُہرائیں، لیکن اُن تحریروں کی لطافتیں، رنگینیاں اور ادبی خوبیاں دامن کشاں ہیں کہ ان شہ کاروں اور مہ پاروں کو خاک میں نہ ملانا چاہیے جو فطرةً ہر شیخ وشاب کے لیے جذباتِ شباب کے سلسلے میں جائز وروا ہیں۔ کسی نامور کے بعد اُن کا اظہار ادبی انداز بیان کے ساتھ ہوجانا ادیب کی کسرشان کا سبب نہیں ہوسکتا۔ حیرت ہے کہ ایک پاک باز عالم اپنی علم پرستی کے ماتحت ایک نوجوان خاتون کو یہ لکھ کر بدنام نہ ہوا۔

"اگر تم موسیقی سے بھی واقف ہو تو تم اجازت

دو کہ لوگ تم کو پوجیں ، وَاَنَا اَدَلُّ الْعَابِدِیْنَ ——
تمھارے لیے غزل وغیرہ سب کچھ لکھ چکا ہوں ، اور
پڑھنے کی کیا بات ہی میرا ہر رونگٹا اور ہر موئے بدن تمھاری
تعریف و توصیف کا ایک شعر ہی "

ایک شاہد باز شاعر اپنی حسن پرستی کی بدولت ایک طوائف کو یہ لکھ کر مورد الزام ہو جائے کہ :۔

"حور کی صورت ، نور کی مورت خوش رہو اور ہم سے ملو۔
کیوں اجی تم سے کیوں کر ملیں ، تم کو کیوں کر دیکھیں ، کیوں کر
سنیں ، اور نہ دیکھیں تو کیوں کر جییں ، جو شخص ازلی عاشق مزاج
ہو خیال کرو اس کا کیا حال ہوگا ، تم سے یہ امید نہیں
کہ خواب میں بھی کبھی آؤ۔ ہائے مہجوری ، واسے مہجوری !!"

العجب ثم العجب ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہی :۔

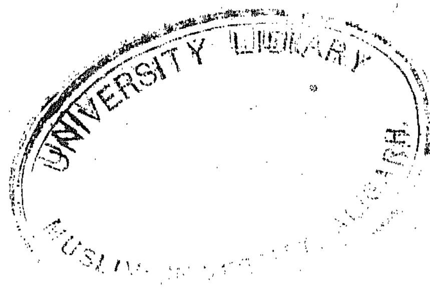
ہم اگر بیٹھیں تو کم ہمت ہوں شیخ بیٹھیں تو توکل ٹھہرے
ہم اگر بولیں تو کہلائیں بڑی آپ چپ ہوں تو تغافل ٹھہرے
کوے کلے بولیں پپیہے کو کہیں کان کی بات سری گل ٹھہرے
تم جسے چاہو چڑھالو سر پر ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھہرے

یہ چند فقرے جملۂ معترضہ کی طرح خدا نخواستہ کسی تعریض و تنقیص کے خیال سے نہیں لکھے گئے ہیں بلکہ ایک امر واقعی کا اظہار کیا گیا ہی کہ ہر عالم و عامی اُن فطری اور پیدائشی جذبات و احساسات کو اپنے مواقع پر ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکتا جن کو قدرت نے اُس کی طبیعت میں ودیعت کیا ہی۔ مرزا داغ ہوں یا مولانا شبلی

اس حمام میں سبھی عریاں نظر آئیں گے ۔ یہ بات دوسری ہے کہ کسی کا تہبند کھاروے کا ہو اور کسی کی لنگی تنزیب کی مگر

ہر اک بشر ہے مرکب خطا و نسیاں سے
ہر اک سے کوئی نہ کوئی قصور ہوتا ہے

احسن مارہروی





فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ دہلوی

فصلِ اوّل

والیانِ ریاست، حکّام، عمّال اور اُمرا کے نام

(۱)

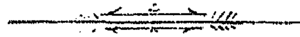
فردوس مکاں نوّاب یوسف علی خاں والیِ رامپور کے نام

غریب پرور سلامت

جنابِ عالی! فدوی نے حسب الارشاد والا کے دہلی میں پتّھر ڈھونڈھ کر نکالا۔ ایک جا سنگ باسی کے چوکے چُھپکے ہیں، کہیں پُرانا اور نیا پتھر اس کام کے لیے نہیں ملتا تھا، اور سنگ سُرخ کے چوکے داغ دار، پیمائش سے کم بہت ہیں مگر اُن کو لے کر کیا کیجیے، اور مزدوری جالی، سنگ سُرخ اور باسی برابر ہے اس واسطے فدوی نے برآورد سنگ باسی کی کر کے ملفوف عرضی ہذا کے ارسال کی ہے اور باہم سنگ تراشوں کا مقابلہ کروا کے چھوٹے خانے کی جالی لعہ؎ درعہ اور بڑا خانہ ؎ درعہ ٹھیکے میں چکتے ہیں اور اگر ارشاد ہو بغیر ٹھیکہ بن جائے، مگر کفایت فدوی کو ازبس متصوّر ہے۔ اب حضور نقشہ ملفوفہ میں سے جو خانہ پسند فرما دیں اُس کے موافق خرچ امداد ہو، بلکہ اس کے حساب میں باربرداری وغیرہ کا خرچ نہیں لکھا، چوں کہ یہ تخمینہ ہے۔

حصر نہیں کیا جاتا۔ یہاں ہزارہا مکانات منہدم ہوئے اگر حضور ارشاد فرمائیں تو سنگِ مرمر اور سنگ باسی کے ستون بکفایت تمام ہاتھ لگ سکتے ہیں اور چوکے سنگِ مرمر اور حوض یک درعہ مربع بلکہ کچھ زیادہ اور چوکے قابل میز اور چوکی کے بہ نسبت قیمت سابق کے ارزاں ہیں۔ اگر ارشاد ہو تو تلاش کر کے اُس کا حال بھی لکھے۔ یقین ہی بتاکید تمام دو مہینے سے زیادہ میں یہ کام حضور کے اقبال سے سرانجام پا جائے۔ زیادہ حدِّ ادب۔

الٰہی آفتاب دولت تاباں باد
عرضی فدوی نواب مرزا داغ۔ معروضہ ۷ مارچ ۱۸۶۰ء



[نواب یوسف علی خاں فردوس مکاں، ریاست رام پور کے پانچویں فرماں روا تھے ۱۲۳۱ھ ۱۸۱۶ء ۵۔ ربیع الاوّل مطابق ۵۔ اپریل کو پیدا ہوئے اور دوشنبہ ۱۳ رجب ۱۲۷۱ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۵۵ء کو مسندِ حکم رانی پر قدم رکھا، اور ۲۷ ذی قعدہ جمعہ کے دن ۱۲۸۱ہجری مطابق ۲۱۔ اپریل ۱۸۶۵ء کو اس دارِ فانی سے رحلت کی (از مکاتیب غالب و تذکرہ یادگار انتخاب)

سلاطین و والیانِ ملک کو رحلت کے بعد جنّت نشاں، فردوس منزل وغیرہ جیسے خطابات سے یاد کیا جاتا ہی، مرحوم نواب یوسف علی خاں فردوس مکاں سے مخاطب ہوتے۔ نواب صاحب موصوف کو شعر وسخن کا بھی ذوق تھا اور ناظم تخلص کرتے تھے، پہلے مومن دہلوی سے پھر مرزا غالب سے اور آخر میں اسیر لکھنوی کو اپنا کلام دکھایا کرتے تھے۔ دو دیوان ان کے طبع ہوچکے ہیں اور مطبع حسینی رامپور میں چھپے ہیں (انتخاب یادگار)۔ فرماں روا ہونے سے پہلے نواب صاحب اکثر دہلی

میں قیام پزیر رہتے تھے، اُسی زمانے سے مرزا داغ کو خدمتِ موصوف میں تعارف ہُوا اور بعد مسند نشینی ریاست سے متوسّل ہوئے۔ فرہنگ آصفیہ نے (باسی) کے تحت میں لکھا ہو کہ باسی ایک قسم کا پتھر ہی جس کا رنگ زرد اور سفیدی مائل ہوتا ہو اور اُس کی بڑی بڑی سلیں ہوتی ہیں۔]

(۲)

بنام سابق

غریب پرور سلامت

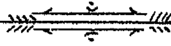
مراتب کورنشات و مراسم تسلیمات بجا آوردہ بعزِ عرض باریافتگانِ بارگاہ فلک اشتباہ می رساند۔ دریں ولا بزبانی امام بخش بوضوح پیوست کہ حسب الحکم عالی انجمن مشاعرہ ترتیب می یابد، ونیز غزل ہائے منشی امیر احمد و محمد زکی صاحب نزد فدوی رسیدند۔ حقّا کہ چہ خوش گفتہ اند از معائنۂ غزل ہائے مذکورہ شوقِ دیرینہ تازہ گشت، چناں چہ چند اشعار شکستہ وبستہ، قلم برداشتہ نوشتہ ارسال خدمت فیض موہبت می نماید، چہ عجب کہ ایں صدف پارہ ہا از فیضِ نظرِ کیمیا اثر گوہرِ آبدار باشند وامید وار است کہ ایں درماندۂ دوری تا رفعِ حجاب حضوری از کلامِ معجز نظام مستفیض و مفتخر می بودہ باشد کہ خیلے تمنّا و بسا آرزوست۔ فقط۔ واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت واقبال از افق جاہ و جلال تاباں باد

عرضی فدوی نمک خوارِ قدیم نواب مرزا المتخلّص بہ داغ شاگرد

خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوقؔ

معروضہ دوئم نومبر ۱۸۶۰ء عیسوی از دہلی محلہ بلّی ماراں



[اس زمانے میں اُردو شاعری اگرچہ پورے فروغ پر تھی مگر خط و کتابت عموماً فارسی میں ہوتی تھی، اسی رواج کے مطابق بعض خطوط مرزا داغ کے فارسی زبان میں بھی ملتے ہیں۔

جس غزل کا حوالہ اس خط میں دیا ہے وہ "گلزار داغ" میں چھپ گئی ہے مگر انتخاب و ترمیم کے ساتھ یعنی نواب صاحب کو دو غزلہ بھیجا گیا ہے جس کے کل اشعار ۴۲ ہیں اور مطبوعہ دیوان میں صرف ۲۵ شعر ہیں۔ پہلے اصل اور ترمیم کی تفصیل کی جاتی ہے

نواب صاحب کو یوں بھیجا گیا:۔

ہمارا دستِ دعا جب ذرا بلند ہوا ندائیں آئیں کہ باب قبول بند ہوا

دیوان میں یوں چھاپا گیا:۔

شبِ فراق جو دستِ دعا بلند ہوا ندائیں آئیں کہ باب قبول بند ہوا

نواب صاحب کی خدمت میں بھیجا ہوا یہ شعر تھا:۔

سنا ہیں ایسی کہ صیّاد چیخ چیخ اُٹھا قفس میں بند ہوئے پر بھی میں نہ بند ہوا

مطبوعہ دیوان میں یہ شعر مطلع کیا گیا۔ اس طرح:۔

وہ کچھ سنا ہیں کہ صیّاد دردمند نہ ہوا قفس میں بند ہوئے پر بھی میں نہ بند ہوا

نواب صاحب کو اس طرح مطلع بھیجا گیا:۔

چمن چمن کو بھی جوں خار نا پسند ہوا قفس بھی مجھ سے تو گھٹ گھٹ کے بند بند ہوا

دیوان میں اس طرح چھاپا گیا:۔

چمن چمن کو تو کانٹا سا ناپسند ہوا قفس قفس بھی تو گھٹ گھٹ کے مجھ سے بند ہوا

نواب صاحب کو یوں بھیجا گیا:۔

فلک نے کینہ لیا تو نے ظلم ئیں نے وفا　　ازل میں وہ ہی ملا جس کو جو پسند ہوا

دیوان میں یوں چھاپا گیا:۔

فلک نے کینہ لیا تو نے ظلم ئیں نے وفا　　وہی ازل میں ملا جس کو جو پسند ہوا

نواب صاحب کو یوں بھیجا گیا:۔

رفیق کہتے ہیں اس کو قیدِ زنداں میں　　چھُٹا نہ مجھ سے جنوں میرے ساتھ بند ہوا

دیوان میں یوں چھاپا گیا:۔

رفیق کہتے ہیں اس کو کہ قید خانے میں　　چھُٹا نہ مجھ سے جنوں میرے ساتھ بند ہوا

نواب صاحب کو یوں بھیجا گیا:۔

کٹی ہے باتوں میں شب، ہائے کن مرادوں کی　　کھُلا جو شکووں کا دفتر تو پھر نہ بند ہوا

دیوان میں ترمیم کر کے یوں چھاپا گیا:۔

مری زباں نہ تھکی رات کٹ گئی ساری　　کھُلا جو شکووں کا دفتر تو پھر نہ بند ہوا

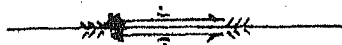
اب وہ اشعار لکھے جاتے ہیں جو دیوان میں نہیں رکھے گئے۔

جگر کے صدمے سے بھی شورِ دل بلند ہوا　　کسی کے چوٹ لگی کوئی دردمند نہ ہوا
ہمارے نالے کو شوقِ رسا کمند ہوا　　کہ بڑھ کے عالمِ بالا سے بھی بلند ہوا
الٰہی دستِ ہوس اس قدر بلند ہوا　　کہ میری گردنِ دل کے لیے کمند ہوا
وہ دل کہ ساری خدائی کو ناپسند ہوا　　دہے کے روزِ ازل سے میں دردمند ہوا
بھٹکتے پھرتے دعا کی طرح ہم اے زاہد　　بھلا ہوا کہ درِ میکدہ نہ بند ہوا
وہ حبیب کہ اہلِ بصیرت کی بھی نظر میں کھُبے　　ہمارا خالِ سویدائے دل پسند ہوا
کہیں وہ بت نہ ہو یا رب یہ کیسا چرچا ہے　　کہ اہلِ ناز میں کوئی نیاز مند ہوا
تمام خونِ جگر چشمِ تر نے کھینچ لیا　　غضب ہوا کہ مرا رزق آج بند ہوا

کہاں نصیب کہ عاشق مزاج ہو معشوق　　　مجھے پسند ہؤا ہؤا جو خود پسند ہؤا
اگرچہ ضبط کیا پر نہ خاک ضبط کیا　　　اگرچہ بند ہؤا راز پر نہ بند ہؤا
مزا ہے صبر کا آخر سو ہم نے لوٹ لیا　　　کہ پہلے زہر ہؤا اور بعد قند ہؤا
غبار بیٹھ گیا میرا اس ندامت میں　　　کہ مجھ سے ہائے مکدّر ترا سمند ہؤا
دبی بھی ایسی کہ آندھی سے بھی اُڑی نہ کبھی　　　وہ خاک جس پہ کہ جولاں ترا سمند ہؤا
اُٹھایا جون سے فتنے کو چال نے تیری　　　وہ روزِ حشر کو لاکھوں میں سربلند ہؤا
پھنسا نہ سرو سا آزاد باغِ دنیا میں　　　کہ طوق گردنِ قمری کہاں کمند ہؤا
بجا ہے داغ جو ہو خود پسند وہ شاعر
جناب حضرتِ ناظم کو جو پسند ہؤا

ان غیر مطبوعہ اشعار میں بعض الفاظ ایسے ہیں جنھیں مرزا داغ نے "گلزارِ داغ" کے بعد ترک کر دیا تھا۔ مثلاً سو۔ پر۔ جون سے۔ اسی طرح بعض ترکیبیں اور تخیّل بھی مطبوعہ کلام میں کمیاب ہیں۔

منشی امیر احمد امیر مینائی کی شہرت محتاج تعارف نہیں۔ محمد زکی صاحب کا یہ حال ہے کہ وہ سادات بلگرام میں تھے ان کے والد کا نام سیّد غلام رضا تھا۔ مرزا دبیر کے شاگرد تھے نواب فردوس مکاں کے عہد میں برسوں متوسّل رہے پھر دکن چلے گئے وہاں کچھ دنوں رہ کر اپنے وطن چلے آئے اور ۱۲ شعبان ۱۲۸۸ھ ہجری میں بعمر ۵۰ سال رحلت کی۔ شعر و سخن میں بہت مشّاق تھے اور بالفاظ امیر مینائی سلام اور مرثیہ کہنے میں طاق تھے۔ قصیدہ و غزل وغیرہ اور اقسام نظم کم کہتے مگر جب کہتے تھے تو ہم چشموں میں کسی سے کم نہ رہتے تھے۔ [انتخاب یادگار]



(۳)

بنام نواب کلب علی خاں خلد آشیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

جاں نثار از خدمتِ خدّامِ حضور پُر نور مرخّص شدہ دی روز بتاریخ بستم رمضان المبارک ۱۲۸۲ھ ہجری بہ دہلی رسیدہ ہمہ روسا و شرفائے دہلی را بہ شکریۂ نیک نامی و نیک کرداریِ بندگانِ عالی رطب اللسان یافت اکثر شائقین خصوصاً نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب شوقِ مطالعۂ نثر نسرہ نثارِ حضوری دارند و برفدوی متقاضی اند، امید دارم کہ نثرِ جشن و دیگر نثرے کہ برطرز پنج رقعہ زیب تسطیر یافتہ است ماورائے آں عنایت شود۔

از دفتر شاہی لفظ خاں براسمِ فدوی تحریر می شد، اعنی نواب مرزا خاں، تسطیر می یافت اگر در دفترِ حضور ہم گنجائش دارد عین آبرو بخشی ست۔ واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں و درخشاں باد

عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ بمعروضہ ۸ فروری ۱۸۶۶ء

از دہلی محلہ بلّی ماراں

[خلد آشیاں نواب کلب علی خاں ریاست رام پور کے چھٹے فرماں روا اور فردوس مکاں نواب یوسف علی خاں کے فرزند اکبر تھے۔ ۲۰ ذی الحجہ

سنہ ۱۲۵۱ ہجری مطابق ۱۹۔ اپریل سنہ ۱۸۳۵ء کو اتوار کے دن صبح کے وقت متولد ہوئے۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں گورنر جنرل کی منظوری سے ولی عہد ریاست اور ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ء مطابق ۲۴۔ ذی القعدہ سنہ ۱۲۸۱ ہجری کو جمعہ کے دن ۳۰ سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے۔ ۲۲ سال ۷ ماہ حکومت کی ۵۳ سال ۶ ماہ ۷ روز کی عمر میں بدھ کے دن ۳ بجے سہ پہر ۲۷ جمادی الآخر سنہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۲۳ مارچ سنہ ۱۸۸۷ء کو انتقال کیا۔ بعد انتقال خلد آشیاں کے لقب سے ملقب ہوئے۔ جیسا حضرت امیر مینائی کے اس مقطع سے بھی ظاہر ہے۔

کہاں ہم اے امیر اب اور کہاں داغ وہ جلسے ہو چکے خلد آشیاں تک

نواب صاحب موصوف اپنی شہرت، قابلیت اور چند خصوصیات کی بنا پر اپنے تمام معاصرین والیان ملک سے زیادہ ممدوح انام تھے۔ ان کا دربار چھوٹا موٹا اکبری دربار کا نمونہ تھا۔ سارے ہندوستان کے اہل کمال اور ارباب علم وفن ان کے دربار میں جمع رہتے تھے اور وہ حسب حیثیت سب کی قدردانی کرتے تھے۔ ملکی اور ریاستی انتظام کے ساتھ شعر وسخن سے بھی خاص شغف تھا۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں داد سخن گستری دیتے اور نثر فارسی بھی خوب لکھتے تھے۔ مرزا محمد تقی خاں سپہر مولف ناسخ التاریخ جو ایران کے مشہور اساتذہ میں تھے اُنھیں نثر کلام دکھایا ہے اور اُردو میں مفتی امیر احمد صاحب امیر مینائی سے مشورۂ سخن رہتا تھا۔ تصنیفات میں چار اُردو کے دیوان، فارسی کا دیوان، تاریخ شاہانِ سلف، انتخاب بوستان خیال اور متعدد نثریں ہیں (از مکاتیب غالب)۔

یہ عریضہ مسند نشینی کے بعد لکھا گیا ہے اور اُن نثروں کی نقل چاہی ہے جو نثر حسین وغیرہ کے بعد لکھی گئی تھیں۔

دفتر شاہی سے مراد ابو ظفر بادشاہ دہلی کے دربار سے ہے جہاں مرزا داغ نے پرورش پائی اور اس سے خانی کا خطاب پایا۔

بلّی ماران کو آج کل اکثر ناواقف بَلّی ماران بفتح بائے موحّدہ بولتے ہیں اور یہ روز مرّہ عام ہو رہا ہے اس لیے بطور اطلاع لکھا جاتا ہے کہ صحیح بکسر اوّل ہے۔ راقم نے اکثر مرزا صاحب کی زبان سے بکسر اوّل ہی سنا ہے اور اب بھی پرانے دلّی والے کسرہ ہی سے بولتے ہیں۔ یہ قیاس کہ چوں کہ دِلّی میں جمنا کی وجہ سے ملّاح آباد تھے اس لیے بَلّی ماران کا محلّہ سمجھنا زیادہ مزیّن ترین قیاس ہے، صحیح نہیں۔ بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی زمانے میں کسی نے کوئی بلّی ماری ہوگی اس وجہ سے بِلّی ماران کا محلّہ مشہور ہو گیا۔ اسی قبیل کے دوسرے مقامات پر بھی نام سُننے گئے ہیں مثلاً بِلّی بیچا۔

مزید ثبوت کے لیے مرزا غالب کے ایک خط کی عبارت لکھی جاتی ہے یہ مہدی مجروح کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

اسلام میں صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفےٰ خاں، سلطان جی میں مولوی صدرالدین۔ بِلّی ماروں میں سگِ دنیا موسوم بہ اسد۔

مرزا کی طرزِ نگارش اور سگ و اسد کی رعایت سے صاف ظاہر ہے کہ بِلّی بکسرِ موحّدہ ہے۔

---

(۴)

بنام سابق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

بعد آداب و تسلیمات کے عرض رسا ہوں، آج فدوی شیخ محمد ابراہیم

سوداگر کی کوٹھی پر واسطے سیر کے اور نیز اس واسطے کہ اگر کوئی چیز قابلِ پسند حضور کے ہو، گیا۔ اور اشیا کو دیکھا، یہ شیخ محمد ابراہیم وہ ہیں جن کی کوٹھی اکبرآباد پر حضور تشریف لے گئے تھے اور ملاقات رئیس الورسے کی تھی۔ فی الحال من جملہ اشیا کے ایک کتاب نقشہ جات جہازوں کی جو اُنھوں نے ولایت سے بنواکر منگائی ہوئیں نے دیکھی۔ یہ کتاب اس وقت سرکار نابھا کے واسطے بھیجی جاتی تھی۔ میں نے ازراہ دوستانہ اُن سے بوعدہ ۱۲ دن کے واسطے ملاحظہ حضور کے لے لی اور بلحاظ قیمت مناسب ہونے کے ملاحظہ کرنا حضور کا مقدّم جانا اور اُن سے حضور کی خریداری بیان نہیں کی ورنہ یقین تھا کہ قیمت زیادہ چاہتے۔ بس ایک فہرست قیمت ملفوف عریضہ ہذا کی مشرّح اور مفصّل خدمتِ مبارک میں ارسال کرتا ہوں، اور یہ قیمت مقرّری دستخطی اُن کی ہے۔ کم و بیش اُس میں ممکن نہیں۔ اور قیمت مندرجہ فہرست کو نہایت کمی سے بیان کرتے ہیں، مجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ ایسی چیز عمدہ کلکتے میں بھی اس قیمت کو نہیں آنے کی، اور کتاب نقشہ جات کی ترسیل ڈاک علیحدہ حضور میں ۳ تاریخ مارچ کو روانہ کی گئی۔ حضور اس کو بمقابلہ فہرست ملفوفہ ارسال ملاحظہ اور شرح قیمت فرماویں۔ اگر کوئی شے حضور کے پسند آئے اُس فہرست پر نشان کر کے واپس فرماویں کہ مطابق اس کے تعمیل ہوگی۔ اور کتاب نقشوں کی بہر حال درصورت خرید اور ناخرید واپس ہو کہ اُن سے وعدہ ہے اور درحقیقت زیادہ عرصہ ہونے میں اُن کا ہرج متصوّر ہے اور یہ اسباب یقین ہے عرصہ دو چار روز میں داخل دہلی ہو جائیں گے اور بر سبیل مذکور سوداگر مسطور نے آداب و تسلیم دست بستہ خدمت حضور میں بصد تمنّائے قدم بوسی عرض

کرنے کو مجھ سے کہا تھا۔ زیادہ حدِّ ادب۔

الٰہی تا کہ جہاں ست در جہاں باشی

عرضی نواب مرزا خاں داغ۔ معروضہ ۳ مارچ ۱۸۶۶ء

[مرزا داغ اپنی منظومات میں اُردو زبان کی صفائی اور سلاست کے لحاظ سے جتنی مسلّمہ شہرت رکھتے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔ مگر اس خط میں اُردو عبارت جتنی ڈھیلی اور معمولی ہے وہ بھی پوشیدہ نہیں جس کا سبب راقم کے خیال میں یہ ہے کہ اب سے ۷۰-۷۵ برس پہلے اُردو نویسی ادبی اور منشیانہ شان کے ساتھ تقریباً مفقود تھی۔ مرزا غالب کے بعض خطوط میں بھی اُسی زمانے کے روز مرّہ کے مطابق مضاف و مضاف الیہ کی تقدیم و تاخیر اور حروفِ اضافت نیز سابقوں اور لاحقوں کا آگے پیچھے ہونا پایا جاتا ہے۔ مرزا داغ نے اپنی کسی غزل میں فرماویں واو کے ساتھ موزوں نہیں کیا اور نہ انھیں آخر عمر میں واو کے ساتھ بولتے سُنا مگر اس خط کے املا میں فرمائیں کی جگہ فرماویں موجود ہے۔ اسی طرح لمبر لام سے لکھا گیا ہے یہ بھی اُسی عہد کا روز مرّہ ہے۔ اور چوں کہ مرزائے موصوف نثر نویس نہ تھے اس لیے ان باتوں کا لحاظ نہ رکھنا اُن کے لیے قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔]

---

(۵)

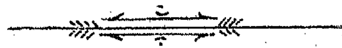
بنام منشی سیل چند میر منشی نواب خلد آشیاں (رامپور)

شفیق مخلصان منشی سیل چند صاحب دام عنایتہٗ

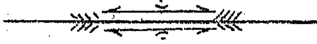
زمانہ یک و نیم ماہ منقضی می شود کہ مخلص از مقام دہلی کتاب

نقشہ جات جہاز وغیرہ از دکان ابراہیم سوداگر دہلوی مستعار بوعدہ دوازدہ روز گرفتہ بخدمت بندگانِ حضور بر سبیل ڈاک فرستادہ بود، الحال سوداگر مذکور کمال متقاضی است و حضور پُر نور دام اقبالہ برائے واپسی کتاب مذکور حکم فرمودہ اند، چناں چہ در تحویل میر مجاور علی صاحب نشان کتاب مذکور معلوم نہ شد۔ لاُبد نزد آں مشفق باشد۔ ترصّد کہ بفور ملاحظہ رقعہ ہٰذا کتاب مذکور کہ رنگ جلدش سبز است عنایت فرمایند تا کہ او را مسترد کردہ آید۔ زیادہ نیاز

المکلّف نواب مرزا خاں داغ عفی عنہ ۱۸ اپریل ۱۸۶۶ء



[منشی سیل چند، منشی تخلّص۔ نواب احمد علی خاں والیِ رامپور کے عہد سے متوسّل و مقرب تھے اور خلد آشیاں کے عہد میں میر منشی کے عہدے پر مامور تھے۔ ۱۸۹۴ء میں بعمر ۸۱ سال وفات پائی۔]



(۶)

بنام نواب خلد آشیاں (رامپور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی۔ فدوی بروز جمعہ حسب ارشاد جناب صاحب زادہ محمد اصغر علی خاں بہادر از آگرہ بسواریِ ریل فائز دہلی گردید، و تجویز مکان بمقام لال کنواں کرد۔ چناں چہ دی روز صاحبزادہ صاحب تشریف

آوردند و امروز از حکیم محمود خاں صاحب ملاقات گردید، حکیم صاحب نہایت دل جمعی واطمینان صاحبزادہ صاحب نمودہ اند یقین است کہ شافی مطلق اکنوں شفائے کلی عطا کند، بعد زمانہ دراز کہ از حکیم محمود خاں صاحب ملاقی گشتم و معالجات ایشاں بسیار شنیدم و بعض بچشم خود دیدم حق این ست کہ اعجاز تواں گفت، فدوی تمنائے دارد کہ بعد تحریک از مہاراج بہادر پٹیالہ تجویز طلب حکیم صاحب گردد، دریں شہر بلکہ از کلکتہ تا دہلی ایں شخص جواب خود نمی دارد، امیدوارم کہ از خوشنودیِ خاطرِ بندگانِ عالی مفتخر باشم۔

الٰہی آفتاب دولت اقبال تاباں باد

فدوی نواب مرزا خاں داغ معروضہ یکم فروری ۱۸۷۰ء

(۷)

بنام سابق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی۔ پروانہ فیض نشانہ مع قطعہ ہنڈوی تعدادی دوصد روپیہ عزّ صدوریافتہ مفتخر ممتاز گردانید۔ انشاء اللہ بروز جمعہ بتاریخ ۱۵۔ اگست ۱۸۷۹ء بشرط حیات مستعار وصحت جسمانی از یں جا روانہ شدہ جبہہ سائی آستانِ عزّت نشاں می کند۔ چوں برادرم آغا مرزا ہنوز از مقام ڈھاکا دریں جانہ رسیدہ است وبغیر آں نہایت ہرج

کارہاست و جواب تار برقی ہم نہ رسیدہ است کمال تفکّر لاحق گردید،
مگر فدوی جملہ کارہا ناتمام گزاشتہ شرفِ حضوری مقدّم و اولیٰ تر دانستہ
حاضر می شود۔ امیدوار کہ دو منزل رتھ بروز جمعہ بہ مراد آباد مرحمت
شوند۔ آں جا سواری دست یاب نمی گردد۔ واجب بود عرض نمود۔
الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد
عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ۔ معروضہ ۱۰ اگست ۱۸۷۹ء
از دہلی محلّہ بلّی ماراں

(۸)

بنام منشی سیل چند مسبوق الذکر

منشی صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصان منشی سیل چند صاحب سلّمہ
بعد تمنّائے ملاقات واضح رائے باد کہ دی شب پروانۂ حضور
پُرنور دام اقبالہ مع رقعۂ سامی و ہنڈوی مبلغ دو صد روپیہ عزّ صدور
یافتہ مفتخر و ممتاز گردانید۔ برطبقِ طلبِ بندگانِ حضور دام اقبالہٗ
ارادۂ واثق می دارم کہ بشرطِ حیات و صحتِ جسمانی ہمہ کارہا را
ناتمام گزاشتہ بروز جمعہ بتاریخ پانزدہم اگست بصوب مصطفیٰ آباد
روانہ شوم مترصّد کہ از بندگانِ حضور دام اقبالہم گزارش نمود
دو منزل رتھ بروز جمعہ بتاریخ مذکور بمقام مراد آباد فرستادہ دہند۔ زیادہ نیاز۔
نواب مرزا خاں داغ۔ مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۷۹ء

(۹)

بنام نواب خلد آشیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی۔ فدوی مع الخیر کل بروز سہ شنبہ کو واردِ دہلی ہوا۔ راہ میں بشدّت حرارت مزاج میں پیدا ہوگئی کہ اب تک ہر بُنِ مو میں نیشِ زنبور کی کیفیت ہے، آتشِ سوزاں بھڑک رہی ہے۔ آج حکیم محمود خاں سے ملا۔ بندگانِ عالی کا نہایت سپاس گزار و مدّاح پایا۔ میرے معالجے کا وعدہ تو کیا ہے آیندہ خدا کے ہاتھ ہے۔ امیدوار ہوں کہ صحت و خورسندی مزاج مبارک سے مطلع ہوں فقط واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد

عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ معروضہ یازدہم اگست ۱۸۸۰ء

(۱۰)

بنام سابق

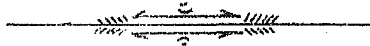
غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی۔ نیلم کا نگینہ جس کا نمونہ راجہ دینا ناتھ نے بھیجا تھا اور حضور پُر نور نے ملاحظہ فرمایا تھا فدوی کی نظر سے گزرا واقعی نگینہ

اتنا بڑا خوش رنگ نایاب ہے۔ اُس کے خریدار بہت لوگ ہوگئے، راجہ دینا ناتھ نے اب تک بمشکل تمام روکا ہے۔ اگر بیما کرکے بھیجا جائے تو بحساب دو پیسہ سیکڑا کے بہت روپیہ صرف ہوتا ہے۔ یہ رائے قرار پائی ہے کہ مالک کا گماشتہ لے جائے اور درصورتِ عدم خریداری عسہ روپیہ بابت صرفِ راہ وغیرہ سرکار سے مرحمت ہوں، مالکِ نگینہ کا قول ہے کہ ایک عینک اس میں نکال کر پھر بھی کئی ہزار روپے کا نگینہ بچ رہے گا قیمت اس کی دس ہزار سے کم نہیں ہوتی۔ فدوی چاہتا ہے کہ رام پور میں اہل کارانِ سرکاری اس کی قیمت اگر ٹھہرائیں گے تو شاید کچھ کم ہو جائے کہ یہاں خریداری از حد ہے۔ فدوی کو نگینے میں تھوڑی سی ایک پہلو میں لکیر سی معلوم ہوتی ہے، ملاحظہ ہو جائے گا جیسا ارشاد ہو تعمیل کی جائے۔ مکرر نمونہ بھی ملفوف عریضہ ہذا ارسال ہے، امیدوار ہوں کہ مژدۂ اعتدال عنصر شریف سے مفتخر و ممتاز ہوں کہ قالب یہاں روح وہاں ہے۔ میاں منیر و امیر خاں کے انتقال نے نہایت صدمہ دیا، جو مرضیِ مولا۔ واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد

عرضی نواب مرزا خاں داغ۔ معروضہ ۱۵ اگست ۱۸۸۰ء



(۱۱)

بنام سابق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی۔ فدوی کل صبح کو پانچ بجے دلّی پہنچا۔ گرمی کی شدّت نے تمام بدن میں آگ لگا دی ہے۔ خانم صاحبہ کا حال نہایت ردّی ہوگیا تھا کوئی صورتِ زندگی نہیں تھی، شافی مطلق نے بچا دیا۔ ایسا بچنا خالی حیرت و تعجب سے نہیں۔ یا سنبھالا ہے یا واقعی سنبھل گئی ہیں، کل شام سے صورت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ہوش و حواس بخوبی ہیں۔ حضور پُر نور کی خدمت میں بہت بہت مراتب آداب و تسلیمات عرض کی ہیں اور نہایت دعائیں دی ہیں کہ انشاء اللہ عندالملاقات عرض کروں گا۔ فدوی کا حاضر ہونا مابین رخصت محال معلوم ہوتا ہے کہ بہت علائق و تردّد پیش ہوگئے ہیں خالہ صاحبہ کو میرے آنے سے نہایت تقویت معلوم ہوئی، ورنہ نوبت لبلبین پہنچ گئی تھی۔ آج فدوی حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا اور حضور کے واسطے دعائے صحت، جمیع مسلمین نے جو حاضر تھے، مانگی، بہ آوازِ بلند آمین کی صدا بلند ہوئی، خدا قبول کرے، مگر کنواں مسجد مزار شریف کا غدر سے خراب پڑا ہے یقین ہے کہ رُپیے میں صاف ہوگا کہ اُس میں لاشیں اُس وقت کی پڑی ہوئی ہیں پانی کی نہایت تکلیف ہے، ایک قدیم حوض پختہ ہے مگر اُس کا خزانہ خراب ہوگیا ہے، اگر ارشاد ہو تو کنوے

کی صفائی وغیرہ کر دی جائے۔ احاطۂ مزار شریف کی دیوار شکستہ ہوگئی ہے اور جا بجا سے منہدم ہوگئی ہے کہ جانور اندر درگاہ کے پھرتے ہیں، اُس کی مرمّت نہایت واجب و مناسب ہے، تخمینہ اُس کا مرتّب کرکے حاضر کروں گا۔ بعدہٗ قدم شریف پر حاضر ہوا وہاں جلسہ اور حلقہ ہوا دونوں درگاہوں میں حضور کی طرف سے نذر و نیاز مختصر کی گئی۔ حضور پُرنور کی صحت کے واسطے دعا جملہ مسلمین نے مانگی۔ قدم رسول کی چھت واقعی خراب ہوگئی ہے کہ لکڑی بالکل گل گئی ہے۔ ۳ شہتیر اُس میں تیرہ کڑیاں پڑیں گی جمیع مسلمین نے حضور سے استدعا کی ہے کہ اس کو بنوا دیا جائے۔ پہلے راجہ دینا ناتھ نے ۱۲اسو رُپیّے کا تخمینہ بھیجا تھا۔ فدوی اب مکرّر اس کا تخمینہ درست کرائے گا کہ اُس کے واسطے حضور نے ارشاد فرمایا تھا بعد برسات کے یاد دلانا وہ زمانہ نکل گیا، اب پھر برسات قریب آگئی مگر اُس کی درستی بہت ضروری ہے۔ آج کل بسبب کثرت وہابیہ کے جمیع مزار شریف بے رونق پڑے ہیں، جوق جوق آدمی چلے آتے ہیں اور حضور سے استمداد طلب کرتے ہیں کہ سوائے حضور کے اور کوئی سہارا نہیں رہا۔ بالفعل ایک ہزار روپیہ علی الحساب مرمّت ہو جائے کہ دونوں جگہ مرمّت شروع ہو۔ ہُنڈی راجہ دینا ناتھ کے نام کی یا فدوی کے نام کی آجائے۔ امیدوار ہوں کہ مژدۂ صحت و خوشنودی مزاج عالی سے ممتاز و سرفراز ہوں، واجب بود عرض نمود۔

آلہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد۔

مکرّر عرض یہ ہے کہ انشاء اللہ پانچویں رجب کو حضرت خواجہ قطب صاحب کے مزار پر حاضر ہوں گا۔ یہاں بسبب غبار کے

رویتِ ہلال کل نہیں ہوئی۔

عرضی فدوی نواب مرزا داغ عفی عنہ معروضہ ۳۰ مئی ۱۸۸۱ء از دہلی

(۱۲)

بنام سابق

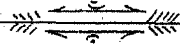
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی! آج تخمینہ دیوار احاطہ و مسجد و حجرہ مزار شریف حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کیا گیا تو تخمینا ساڑھے چھ سو رُپئے کی لاگت ہوگی قبل برسات کے تیار ہو جائے گی، ورنہ بڑا نقصان واقع ہوگا، درگاہ شریف کا دروازہ تک نہیں رہا، اور تیاری سقفِ قدم رسول مع مجلس خانہ فدوی کے تخمینے میں سات سو رُپئے میں ہو جائے گی، یہ بھی جلد تیار ہو سکتی ہی، اُس کے گر جانے کا اس برسات میں احتمال قوی ہی، یہاں دونوں فریق باہم لڑ رہے ہیں، کہ عدالت میں ہزارہا آدمی موجود ہیں۔ ایک فرقہ مقلّد دوسرا غیر مقلّد ہی، اہلِ تقلید نے حضور کو اپنا معاون تصوّر کیا ہی اور فدوی بھی شریک ہو گیا ہی، غیر مقلّد کو مدد بھوپال سے کما حقّہ مل رہی ہی، آج مقدّمہ پیش ہی، شام کو حال مفصّل معلوم ہوگا۔ اتنا تو ضرور ہی کہ غیر مقلّدوں کو حکم ہؤا ہی کہ تم اپنی مسجد اور بنواؤ کہ تمھارا مذہب نیا ہی۔ اس میں چکرا رہے ہیں۔ مرزا خورشید عالم آداب و تسلیمات عرض کرتے ہیں، واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد

عرضی فدوی جاں نثار نواب مرزا داغ۔ معروضہ ۳۱ر مئی ۱۸۸۱ء



(۱۴)

بنام سابق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی! حکیم غلام رضا خاں سے گفتگو زبانی اور تحریری ہوئی، چنانچہ جو کچھ اُنھوں نے جواب میں فدوی کو لکھا ہمرشتۂ عریضۂ ہذا ہی۔ اُن کا مقصد مصمم نہیں معلوم ہوتا، حکیم محمود خاں سے ملاقات ہوئی، بہت بہت آداب و کورنش عرض کیا ہی۔ تین گھنٹے تک شب کو کیفیت مزاج مبارک کی پوچھتے رہے اور بہت افسوس کرتے تھے۔ چند امور ضروری مفصّلۂ ذیل انھوں نے عرض کیے ہیں اور یہ کہا ہی کہ ضرور میری طرف سے لکھ بھیجنا۔ اوّل یہ ہی کہ سنگ مثانہ ہرگز نہیں، کبھی اس کا خیال نہ فرمائیں۔ دوسرے یہ کہ حتّی الوسع دوا سے اجتناب فرمائیں، اور پرہیز سے پرہیز۔ تیسرے یہ عرض کیا ہی کہ دو مہینے کے بعد عین برسات میں ایک دوا بھیجوں گا کہ وہ یادگار محمودی ہی، اُس کی دھونی دی جائے گی۔ انشاء اللہ پھر بواسیر کی شکایت نہ ہوگی۔ معلوم ایسا ہوتا ہی کہ کوئی بوٹی ہی۔

نواب ضیاء الدین خاں صاحب نے تسلیم عرض کی ہی۔ آم کا باغات دہلی میں امسال بھی نہیں۔ نہایت حیرت ہی۔ کہتے ہیں کہ ایک دوست

نے لکھنؤ کے خر پزے بھیجے تھے۔ اور آم رامپور میں ثمر بہشت لنگڑا لاثانی ہیں۔ خر پزوں کا حال دریافت کرتے تھے ہیں نے کہا کہ آپ کی دلّی سے اچھے ہوتے ہیں مگر نہ مثل لکھنؤ کے۔ فدوی تین روز سے علیل ہوگیا ہے گرمی سے دست چلے آتے ہیں۔ کل عرس بڑے خواجہ صاحب کا حضرت خواجہ قطب صاحب میں ہوگا۔ سر پیچ انشاء اللہ بھیج کر شریک ہوں گا۔ اور دعائے صحت جملہ مسلین حضّار عرس مانگیں گے۔ کل یہ جلسہ خانقاہ شریک میں بھی ایک لطف کے ساتھ ہوا۔ شافی مطلق صحت عطا فرمائے۔ ہم غریبوں کی سُن لے ہزار جانِ گرامی فدائے نام تو باد۔ واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت واقبال تاباں باد

عرضی فدوی نواب مرزا داغ۔ معروضہ دوم جون ۱۸۸۱ء روز پنجشنبہ از دہلی

(۱۴)

بنام سابق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی! فدوی زیارات مفصّلۂ ذیل سے مشرّف ہوا۔ اہلِ اسلام نے بخلوصِ نیت وطیبِ خاطر حضور کی صحت کے واسطے دعا مانگی۔ کل حضرت خواجہ قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر کہ عرس بڑے خواجہ صاحب کا تھا، ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہا۔ گیا عرض

کروں کہ کیا لُطف رہا، اور جس وقت بعد ختم کلام مجید کے حضور کی صحت کے واسطے دعا مانگی گئی تھی وہ رقّت طاری تھی جس کا بیان نہیں ہوسکتا مجھ کو اُمید ہی شافیِ مطلق سے کہ اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ سیّدحسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ۔ سیّد فیض رحمۃ اللہ علیہ۔ خانقاہ شریف رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ جہان آبادی۔ شمس العارفین حضرت شاہ ترکمان رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ۔ شاہ سرمد۔ شاہ ہرے بھرے۔ قاضی نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ۔ جوکہ ماعــہ رُپئے مرمت ہوئے تھے اُس میں سب جگہ ایک لُطف کے ساتھ مناسب وقت تقسیم کیا گیا۔ مگر سلطان اولیا حضرت نظام الدین قدس سرّہ و حضرت نصیرالدین روشن چراغ دہلی و حضرت ملک پیراں کئی جگہ کی فاتحہ رہ گئی ہی۔ فدوی اس کا سامان بھی کر رہا ہی یقین ہی کہ لــہ رُپئے میں یہ بھی ہو جائے۔ سلطان المشائخ کی باولی کا پانی متعفّن ہوگیا ہی اور باولی اٹ گئی ہی، لوگوں نے مشہور کیا ہی کہ اس کی صفائی کا حکم نواب صاحب بہادر والیِ رام پور کے نام ہی۔ ہزار رُپئے سے کم میں اُس کی صفائی نہ ہوگی۔ پہلے برسات سے اس کی صفائی ہونی چاہیے۔ تین قطعہ عرض داشت پہلے روانہ کر چکا ہوں۔ گرمی کی وہ شدّت ہی کہ الحفیظ۔ خدا جانے وہاں کیا صورت ہی۔ حضور کی خوشنودی و صحتِ مزاج سے مطّلع نہیں ہوتا۔ دو تعویذ سنگ مرمر کے ایسے دیکھے کہ اُن کی خوبیاں بیان سے باہر ہیں، نہایت بڑے تعویذ ہیں اور سب آیاتِ قرآنی کندہ ہیں۔ یہ تعویذ مثل تعویذ

شاہجہاں واکبر تصور کرنے چاہییں۔ اگر قیمت بن جائے گی تو ضرور لیے جائیں گے نایاب شی ہی۔ ابھی حال قیمت کا نہیں معلوم ہوا۔ مالک حیدرآباد بھجوانے چاہتا ہی۔ فدوی نے روک دیے ہیں۔ انشاء اللہ کل اُن کا حال مفصّل عرض کروں گا۔ مگر ایک ہرکارے کا ہونا ضرور ہوگا کہ گاڑیوں میں ساتھ لے جائے۔ اگر یہ شی گراں تر بھی ہاتھ آئے تو مضائقہ نہیں مگر انشاء اللہ بکفایت ہی ہاتھ آئے گی۔ ایک تعویذ سنگ مرمر کلاں بقیمت چالیس رُپیے کو کل فدوی نے خرید لیا ہی۔ وہ بھی تین سو رُپیے سے کم کا نہیں، ذرا سا کونا اُس کا ٹوٹا ہوا ہی وہ درست ہو جائے گا۔ ایک شخص نے نیلام میں لیا تھا، نفع دے کر لیا گیا ہی۔ یقین ہی اُس کا فیصلہ بھی آج ہو جائے گا۔ امیدوار ہوں کہ ایک ہرکارہ ہوشیار جلد روانہ کیا جائے اور فدوی کو عرائض کا جواب مرحمت ہو، واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد

عرضی فدوی نواب مرزا داغ۔ معروضہ پنجم جون ۱۸۸۱ء

(۱۵)

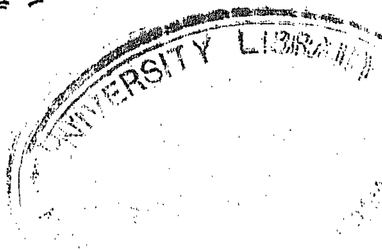
بنام منشی سیل چند مسبوق الذکر

منشی صاحب شفیق کرم گستر مخلصان مظہر عنایات برادران منشی سیل چند صاحب دام عنایتہ۔

بعد شوقِ ملاقات واضح رائے شریف باد۔ چار قطعہ عرائض ضروری حضور پرنور دام اقبالہ ارسال داشتہ ام ہنوز از جواب یکے مطمئن نہ گشتہ ام،

چنیں در یک عریضہ استدعائے صفائی آب باولی درگاہ حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ نمودہ ام وکم ازکم در اخراج گل آب باولی صرف مبلغ یک ہزار روپیہ خواہد شد، دریں باب آنچہ حکم عالی شرف نفاذ یافتہ باشد زودتر حوالۂ قلم فرمائید۔ ومرمت چہار دیواری وچارہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بسیار ضروری است، چنانچہ تخمینۂ آں بشمول تیاری سقفِ قدم رسول صلعم فرستادہ ام، از طرفِ نیازکیش عرض باشد کہ مقدم مرمت چار دیواری می باید کہ خران و سگاں وغیرہ بدرگاہ می آیند۔ جواب نیاز نامہ جلد ارسال شود۔ زیادہ خیریت است۔ از سہ روز بدرگاہ حضرت نظام الدین قدس سرہ مقیم گشتہ ام وشب وروز در تقریب فاتحہ وختم وتقسیم شیرینی بوجہ احسن بظہور سیدہ بحضورِ انور اطلاع کردہ مطمئن فرمایند۔ مکرر آں کہ ایں ہم گزارش نمودہ اطلاع فرمایند کہ قبل از غدر باولی مذکور صاف شدہ بود۔ وانچہ مال از باولی برآمد شدہ بود، سوائے اسلحہ کہ آں سرکار انگریزی، مال دیگر قسم صاف کنندۂ باولی گرفتہ بود در شرح شریف نبوی چہ حکم است ازآں زودتر مطلع شوم۔

نواب مرزا خاں داغ۔ معروضہ ۱۰ر جون ۱۸۸۱ء



(۱۶)

بنام نواب خلد آشیاں (رامپور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

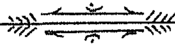
غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی! سابق ہیں جواہلِ توہب سے مسجد کا فتح پایا تھا، معاندین دین نے اُس کا اپیل کیا ہے۔ حکیم بدرالدین خاں نے اس میں نہایت سعی کی تھی کہ یہ صاحبِ ایمان اور مقلّد ہیں۔ اب بھی صاحب کمشنر بہادر ان سے مشورہ طلب ہیں۔ حکیم صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ جمعرات کو میں صاحب کمشنر سے رخصت حاصل کروں گا اور بعد حصولِ رخصت تاریخ روانگی مقرر کروں گا۔ فدوی کو آج آٹھواں دن ہے وہاں سے روانہ ہوئے، نوید صحت وخوشنودی سامعہ نواز نہیں ہوئی فدوی اس لیے گھلا جاتا ہے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دورے پر ہیں وہ آئیں تو باولی کی صفائی ومرمّت شروع ہو، اب پانی کی ایسی صورت ہے کہ کوئی نہاتا بھی نہیں۔ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مرمّت ہو رہی ہے۔ درگاہ قدم رسولؐ کی مرمت ہنوز اختتام کو نہیں پہنچی، سقفِ قدم شریف از سرِ نو مسجد، مجلس خانہ، دروازہ درگاہ، تمام درگاہ میں سفیدی ہوئی ہے۔ اس قدر کام ہوا ہے، ہزارہا مسلمان وگدا وحاکم حضور کی خیر مناتے ہیں۔ نواب ضیاءالدین خاں ملتجی ہیں کہ جو ڈنڈا و دیوارِ فصیل کی گری ہے اور اُس کے باعث سے مسجد درگاہ بھی گر جائے تو کچھ بعید نہیں۔ اس میں فدوی کی رائے میں ہزار آٹھ سو روپئے کی

لاگت ہوگی۔ اور مرمّت و تیاری حال میں بھی تخمینے سے زیادہ صرف ہوا۔ لہذا در باب مرمّتِ ثانی کے تاحکم ثانی التوا کیا گیا۔ اُس کی کیفیت زبانی عرض کی جائے گی۔ طلب تاکیدی ہو تو یہاں سے نجات ہو۔ نواب ضیاء الدین خاں۔ محمد علی خاں جہاں گیرآبادی تسلیمات و کورنش عرض کرتے ہیں۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد۔

عرضی فدوی نواب مرزا خاں معروضہ ۱۵ نومبر ۱۸۸۱ء



(۱۷)

بنام سابق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

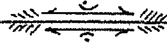
جناب عالی! فدوی مع احمد سعید خاں کے درگاہ حضرت سلطان المشائخ میں حاضر ہوئے اور وہاں شاہ بغدادی صاحب کی خدمت میں پہنچے، انھوں نے اوّل حضور کا مزاج پوچھا، میں نے حضور کی طرف سے سلام کہا، جواب سلام دیا اور فرمایا کہ تم لوگ جیسی چاہیے ویسی قدر اُس کی نہیں کرتے، اور ہو رہا ہے جو اس کے لیے ہو رہا ہے۔ نہایت اوصاف حضور کے ظاہر کیے۔ بعد ایک تعویذ دیا کہ وہ ملفوف عریضۂ ہذا ہے۔ اور دست بہ دعا ہوئے۔ جناب موصوف بات کم کرتے ہیں، مگر حضور کا ذکر آپ ہی آپ بڑی دیر

تنگ کیا، یہ بھی کہا ہی کہ یہ دعا اگر دوسرا شخص حسب ترکیب پڑھ کر دم کر دیا کرے تو مضائقہ نہیں۔ مگر تعویذ گلے میں بندھے گا۔ بازو وغیرہ پر اجازت نہیں ہی۔ پھر باولی کی صفائی کی نہایت تاکید کی۔ عرض کیا کہ یہاں توقف نہیں ہی حکّام کی دیر ہی۔ کہا وہ بھی اب ہوا جاتا ہی۔

احمد سعید خاں بہت بہت آداب و تسلیمات عرض کرتے ہیں۔ یہ بھی انھیں حضرت کے مرید ہیں۔ واجب تھا عرض کیا۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد

عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ۔ معروضہ ۱۵ر نومبر ۱۸۸۱ء



(۱۸)

بنام سابق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی! مرزا خورشید عالم بھی مستحق پرورش ہیں۔ اگر صیغۂ زکوٰۃ ہی میں سے پندرہ بیس روپئے ماہوار مقرر ہو جائے تو عین نوازش و مرحمتِ خسروانی ہی۔

دوستاں را کجا کنی محروم   تو کہ با دشمناں نظر داری

ان کا بیان ہی کہ کئی عرائض حسب ہدایت و وصیت والدہ صاحبہ مرحومہ کے ارسال کیں اپنی کم قسمتی سے التفات نہ ہوا، اور اگر احیاناً وسہواً

کوئی خطا صادر ہوئی ہو تو للہ معاف فرمائی جائے۔ فدوی نہیں چاہتا کہ ایسا شخص حضور کی سلامتی میں دریوزہ گری کرے اور در در پھرے، ان کو یہ گمان ہو کہ اس نے میری پریشانی کبھی حضور میں ظاہر نہیں کی لہذا عرضداشت ہذا پیش کرتا ہوں، واجب تھا عرض کیا۔

الہٰی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد

عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ معروضہ ۱۵ نومبر ۱۸۸۱ء از دہلی

---

(۱۹)

بنام سابق

حضور فیض گنجور

جناب مستطاب معلی القاب بندگانِ عالی متعالی

بعز عرض　　می رساند

داغ نمک خوار خدمت گزار امیدوار قدیم کہ تا حال بسبب شکستہ پائیِ پریشانیِ روزگار بمجبوری کہ یک سرد ہزار سودا شرفِ حضوری نہ حاصل کردہ است از قہر خسروانی چوں بید ترساں و لرزاں می ماند، اگر براین تقصیرش قلم عفو کشند۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

اکنوں بر مرحمتِ خاص تکیہ کردہ در زمانۂ پنج شش روز بخدمتِ خدّامِ بارگاہ فلک اشتباہ می رسد۔ واجب بود عرض نمود۔

الہٰی آفتاب دولت و اقبال از افقِ جاہ و جلال تاباں و درخشاں باد برب العباد

عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ۔ معروضہ یوم عید الضحیٰ ۱۲۸۱ سنہ ہجری

(۲۰)

بنام سابق

غریب پرور سلامت

جناب عالی! ہنڈوی مبلغ شش صد روپیہ کہ بنا بر مرمت مسجد شہر دہلی واقع محلہ بھوجلا پہاڑی از سرکارِ فیض آثار بنام راجہ دینا ناتھ، بدیں منشا رفتہ است کہ زر ہنڈوی بہ حوالہ کمال الدین و مولوی جمال الدین اہلِ محضر دادہ رسیدش حاصل نمودہ بحضور ابلاغ نماید۔ اکنوں از تحریر اہلِ محلہ آں جا و تحریر مرزا خورشید عالم وغیرہ معلوم شد کہ مولوی جمال الدین مردِ سیّاح بودہ اند، بالفعل در دہلی قیام نمی دارند و خواجہ کمال الدین مرد نامعتبر بودہ است اہلِ محلہ می خواہند کہ معرفت راجہ دینا ناتھ مرمت مسجد نمودہ شود، ورنہ اندیشۂ تلفِ زر است، اکنوں سخنے کہ ارشاد شود بعمل آرد۔ ودر رائے فدوی مناسب است کہ معرفت راجہ دینا ناتھ مرمتِ مسجد نمودہ شود۔ وخط اسمی فدوی کہ مراسلۂ اہلِ محلہ آں جا است ہمرشتۂ عریضہ ہذا می گزارند۔ واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت اقبال تاباں باد

عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ۔ معروضہ نہم رمضان المبارک ۱۲۹۸ سنہ ہجری ۱۸۸۱ء

(۲۱)

بنام سابق

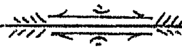
غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی! فدوی بضرورتِ چند در چند از ہفتہ وارد عظیم آباد پٹنہ گشتہ است و ازاں جا قصد کلکتہ نیز می دارد، لہذا امید دارم کہ از راہ غریب نوازی رخصت دو ماہ دیگر مرحمت شود، واجب بود عرض نمود۔

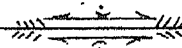
الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد

عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ۔ مورخہ یکم جون ۱۸۸۲ء

از عظیم آباد پٹنہ۔ محلہ گرہٹا مکان سید باقر



سید محمد باقر متخلص بہ باقر شاگرد وحید آلہ آبادی پٹنے کے شرفا میں تھے۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ستار کا بہت شوق تھا۔ اچھے خوش نویس تھے اور اس فن سے آگاہ تھے، اسی ہم مذاقی نے مرزا داغ کو ان کا مہمان بنایا۔



(۲۲)

بنام سابق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غریب پرور سلامت

جناب عالی! فدوی ۲۹ جون کو رام پور سے روانہ ہو کر شدت بارش میں مرادآباد ۲ بجے پہنچا۔ نجیب آباد کی ریل میں ۲ گھنٹے کا ہرج ہوا۔ ۷ بجے کل صبح کو دلّی پہنچا، ماتم سخت میں مبتلا ہوا۔ حضور پُرنور کی طرف سے مراتب تعزیت حسب ہدایت ادا کیے۔ نواب ممتاز علی خاں رئیس پاٹودی جو فدوی کا نواسا ہوتا ہے دس گیارہ برس کی عمر ہے۔ اُس کو بھی مجھ سے ملایا۔ فرّخ مرزا بھی کل لُہارو سے آئے۔ ہنوز مجھ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کل پنجشنبہ کو پھُول ہوں گے۔ تین جگہ کے ماتم میں گرفتار ہوں۔ جناب خالہ صاحبہ سے ملا۔ اُنھوں نے حضور کی صحت کے واسطے گود پھیلا کر دُعا مانگی۔ عجب حال اُن کا دیکھا کہ چراغ سحری پایا۔ حضور کی طرف سے حسب ہدایت سلام کہا، بہت دعائیں دیں، کہا کہ چونکہ تمھاری والدہ وہاں گئی تھیں، مشرف ملازمت سے نہ ہوئیں اور اس صدمے میں مرگئیں۔ اس لحاظ سے میں اس حالتِ ضعف میں بھی، گو ہزار بار قصد کیا، حاضر نہ ہو سکی۔ اور میں نے ایک بار کچھ روپیہ برائے مکان رہن پر چاہا تھا وہ بھی نامقبول ہوا، میری اُمید منقطع ہو گئی۔ میرا فخر و افتخار ہے، جو وہ عطا کریں مگر یہی خیال ہے کہ مبادا مقبول نہ ہو۔ میرے نُطفے سے جو لڑکی تھی

اور اُس کا انتقال ہوگیا تھا۔ وہ مرگئی میرا آنا نہ ہُوا۔ وہ بھی ماتم سخت ہُوا۔ اُس نے ایک لڑکا چھوڑا ہی۔ بھانجا ڈوب کر مرگیا، اُس کا ماتم ہی کہ تمام شہر کو افسوس ہی۔ چچا نواب ضیاء الدین کا انتقال ہائے ہائے کیا عرض کروں۔ فدوی کو تو اُس مکان میں جاکر ہوش نہ رہا۔ مگر جس قدر امیرزادے جمع تھے، سب حضور پُر نور کی صحت کے واسطے دست بہ دعا ہیں۔ اور اہلِ دہلی اس زمانے میں ذات والاصفات کو اپنا بادشاہ جانتے ہیں۔ کیوں نہ ہو ہر شخص پر احسان ہی۔ آج جنرل صاحب کا خط آیا اُس سے معلوم ہُوا کہ نصیبِ اعدا پھر طبیعت کچھ بے لُطف ہوگئی تھی۔ امیدوار ہوں کہ جلد تر مژدۂ صحت و خوشنودیِ مزاج سے مبشّر و مفتخر ہوں۔ میری جان حضور کے قدموں میں ہی۔ دو سو رُپئے حضور نے عطا فرمائے تھے اُن کا پتا نہ لگا صرف ہوگئے۔ از راہ غریب نوازی تین سو رُپئے اور عنایت ہوں۔ نام بڑا، معاش کم۔ خرچ ضروری مجبور ہوں۔ کیا عرض کروں نواب ضیاء الدین خاں صاحب کو تپ آئی ایک روز بے ہوش رہے۔ مجھ کو یاد کرتے رہے، بعد اُس کے غشی طاری ہوکر راہیِ عالم بقا ہوئے۔ درگاہ حضرت خواجہ صاحب میں دفن ہوئے۔ آج فدوی کو بھی بسبب افکار و اختلاف آب و ہوا تپ آگئی ہی۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں درخشاں باد

عرضی فدوی جاں نثار نواب مرزا خاں داغ۔ معروضہ یکم جولائی ۱۸۸۵ء

(۲۳)

بنام سابق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

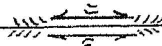
غریب پرور فیض گستر سلامت

جناب عالی! ہنڈوی مبلغ سہ صد روپیہ عطیۂ سلطانی معرفت سیل چند عزّ صدور یافتہ کہ انجام کار وافتخار فدوی گشت اللہ تعالیٰ ذاتِ والا را برفرقِ ما غریباں ابدالدہر سلامت داراد۔ واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت واقبال تاباں ودرخشاں باد

عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ۔ معروضہ ۷ر جولائی ۱۸۸۵ء

از دہلی محلہ بلّی ماراں معروض داشت



(۲۴)

بنام نواب مشتاق علی خاں عرش آشیاں والیِ رامپور

نواب صاحب غریب پرور فیض گستر سلامت۔

بعزّ عرض می رساند

دریں ہنگام مسرّت التیام مژدۂ فرحت افزا نویدِ بہجت پیرا بگوشِ ہوا خواہاں در رسید یعنی خلعت مسند نشینی رامپور از قامتِ مبارک زینت یافت ہزار ہزار شکر بدرگاہ مستجاب الدعوات بجا آوردہ، اللہ تعالیٰ ذاتِ فیض آیات را مدام بحفظ وامن خود دارد۔

الٰہی تاکہ جہان ست در جہاں باشی مدام بر سر مردم خدائگاں باشی
واجب بود عرض نمود۔

عرضی فدوی نمک خوار نواب مرزا داغ ۔ ۲۱ جولائی ۱۸۸۰ء

(۳۵)

بنام سابق

غریب پرور فیض گستر سلامت

مراتب تسلیمات و کورنش ادا کر کے عرض رسا ہوں کہ فدوی وارد دہلی ہوا۔ سات ہزار کا نقصان فقط اپنی جائداد کے حصے میں اٹھایا اور ابھی آئندہ دیکھیے تقدیر کیا دکھائے۔ بظاہر تو کوئی دقیقہ تباہی اور بربادی کا باقی نہیں رہا۔ قطعۂ تہنیت جلوس حضور پُر نور دام اقبالہم، داغ ہیچ مداں نے بہت روز ہوئے کہ عرض کیا تھا چنانچہ وہ اخباروں میں چھپ بھی گیا، نوبت حضوری نہ آئی تھی۔ لہٰذا پیشی سے محروم رہا۔ اب ملفوف عریضۂ ہذا میں بھیجتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

امید وار ہوں کہ پروانۂ خوشنودی مزاج اور مژدۂ صحت عنصر شریف سے مفتخر و ممتاز ہوں۔ واجب تھا عرض کیا۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں و درخشاں باد

عرضی فدوی نواب مرزا خاں داغ معروضہ ۲۱ جولائی ۱۸۸۰ء از دہلی محلہ بلی ماران

(۲۶)

بنام

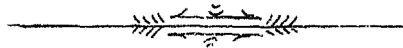
حضور پُر نور آصفجاہِ سادس فرماں روائے دکن

بعزّ عرض حضور پُر نور حضرت بندگان عالی متعالی اعلیٰ حضرت سکندرِ شوکت ولیِ نعمت آیۂ رحمت دام اقبالہ می رسانند

آج ایک نئی تصنیف فدوی پیش کرتا ہے۔ سید افتخار عالم صاحب ساکن مارہرہ شریف جو پیرزادہ خاندانِ عالی سے ہیں اور میرے شاگرد ہیں، اُن کا ایجاد ہے کہ زبانِ انگریزی میں تاریخ نکالی ہے۔ آج تک یہ ایجاد نہیں دیکھا تھا اور نہ سُنا تھا اور ایک کتاب تاریخ مدرسۃ العلوم علی گڑھ بھی اُنھوں نے مفصّل تصنیف کی ہے۔ بذریعہ فدوی کے دونوں نذریں ہمراہِ عریضۂ ہذا کے مرسلِ خدمت خدّام عالی ہیں۔ امیدوار ہوں کہ مشرّف بہ قبول ہوں۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں و درخشاں باد

فدوی فصیح الملک داغ دہلوی معروضہ سوم شوال ۱۳۱۹ھ یوم سہ شنبہ



(۲۷)

بنام

یمین السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر مدار المہام دکن

عالی جناب معلّی القاب زید اللہ اقبالہ وحشمتہ

تسلیم قبول ہو، کل جو مشاعرہ فیض صاحب کے مزار پر ہوا، تُرکی صاحب کی کیفیتِ نفاق مجھ پر منکشف ہوئی، بہت بہتر کیا سید ظہیر الدین صاحب نے، جو اپنی غزل چاک کرکے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مَیں اپنے شاگردوں سے سخت ناراض ہوں کہ وہ اُن کے ساتھ کیوں نہ اُٹھے۔ ظہیر کو لوگوں نے خدا جانے کیا سمجھا، مَیں اُن کا طرفدار بدل ہوں اور آیندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ رہوں گا، اس پائے کا شاعر کم ملے گا۔ ضعیفی اور تنگ دستی سے یہ نوبت پہنچی۔ بہادر شاہ بادشاہ کے اُستاد زادے، ذات کے سیّد، اُستاد ذوق کے شاگردِ رشید، کیا یہ فضیلت کم ہے کہ جو اُن کو نظر کم سے دیکھا جائے۔ وہ جناب عالی کی پرورش کے نہایت شکر گزار ہیں، اگر آپ پرورش نہ فرماتے تو وہ اب تک زندہ نہ رہتے۔ جاں نوازی فرمائی ہے یہ مجھ پر بھی احسان ہے۔ مگر شریف آدمی مفلسی میں بھی آبرو کا خیال رکھتا ہے۔ اس کی وجہ کیا کہ اُن کا نمبر توڑ کر جلیل صاحب کو پڑھوایا گیا۔ اور ان کے آگے سے شمع اُٹھالی۔ یہ سب چالاکیاں تُرکی صاحب کی تھیں۔ میری غزل جو پڑھی گئی تو تُرکی صاحب نے کہا ایک شعر اچھا کہا ہے۔ جلیل صاحب کی غزل کی تعریف میں جو وہ کہتے

رہے سننے والوں کو ہنسی آتی تھی ۔ داغ مضمون کہنا نہیں جانتا جلیل مضمون کہنا جانتے ہیں ۔ امیر کو تو یہ مجال نہیں ہوئی، جلیل کیا داغ کو مٹا سکتے ہیں ۔ میری اصلاحی غزل کو خدا کی شان کہ تُرکی صاحب سمجھیں اور نیک و بد بتائیں ۔ آپ کے سامنے اگر اوپری دل سے میری تعریف وہ نہ کریں تو ضرور جھڑ کے جائیں ۔ مگر غیبت میں اُن کا حال مجھ کو معلوم ہوگیا ۔ ضروری گزارش یہ ہو کہ اُن کو اصلاحی غزل نہ دکھایا کیجیے، اور میرے پاس بھی اُن کو نہ بھیجیے گا ۔ میں منافق سے ملنا نہیں چاہتا اور وہ غیر کو مٹوا نہیں سکتے ۔ الٰہی ترقیِ عمر و دولت زیادہ ہو ۔ آمین !

فصیح الملک داغ دہلوی

---

(۲۸)

بنام

نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین

حضور پُر نور

جناب نواب صاحب عالی مناصب مخدوم و مکرّم و محتشم سلامت تسلیم

آج ماہِ محرم تمام ہوا، یقین ہو کل سے میری نذر کا موقع ملے گا۔ لفافۂ معمولی جو آٹھویں دسویں دن بحضور اعلحضرت دام اقبالہ و ملکہ مع غزل اور عرضداشت کے جاتا ہو ، ایک مہینے سے نہیں گیا ۔ ڈر رہا ہوں ۔ کل سے مجھ کو خرچ کی ضرورت بھی ہو گی ۔ آپ کو اگرچہ میں

یاد ہوں، مگر کثرت کار بھی بعض امور کو ضروری نہیں سمجھنے دیتی۔ میں عرض حال سے زیادہ آپ کے مژدۂ صحت کا طالب، صبح کو آپ کے دربار میں موقع سخن محال ہے۔ سہ پہر کو حضوری کے واسطے اجازت طلب ہوں۔ زیادہ نیاز

ملتمس

نواب مرزا خاں داغ دہلوی عفا عنہ

۳۰۔ محرم شریف ۱۳۰۹ھ



(۲۹)

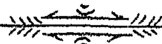
بنام

مصاحب یمین السلطنۃ مہاراجہ مدارالمہام بہادر دکن

نواب مکرم و محتشم۔ تسلیم

کتاب مطبع میں طبع کے لیے دے دی گئی ہے۔ مطبع والے پیشگی روپیہ مانگتے ہیں۔ براہ کرم حسب وعدہ آپ جناب نواب مدارالمہام بہادر سرکار عالی کو یاد دلاکر رقم ایصال فرما دیجیے تاکہ چھپائی شروع ہوجائے۔ یہ امر منحصر آپ کی سعی پر ہے۔ لہٰذا متکلف ہوں کہ اس کا جواب سرفراز ہو فقط

فصیح الملک داغ دہلوی



راقم الحروف نے قیام حیدرآباد میں "فصیح اللغات" کے نام سے ایک تصنیف شروع کی تھی جس میں صرف مرزا صاحب کے نظم کیے ہوئے محاورے اور الفاظ

مثالوں کے ساتھ یکجا کیے گئے تھے، اس تالیف و تصنیف سے مرحوم کو خاص شغف ہوگیا تھا اور اس کے مصارف کے لیے منجملہ اور تدابیر کے ایک صورت یہ نکالی گئی تھی کہ اپنے مقامی شاگردوں سے بخصوصیت پیشگی امداد چاہی گئی جس کے لیے ایک فہرست بنوائی گئی اور وہ فہرست سب شاگردوں کے پاس بھیجی گئی اور خود بھی اس امداد میں مرزا صاحب نے شرکت فرمائی۔ وہ فہرست مہاراجہ سرکشن پرشاد مدارالمہام بہادر کے پاس بھیجی گئی۔ ممدوح نے اس پر مبلغ تین سو ر پ کی رقم اپنے قلم سے لکھی۔ اسی رقم عطیہ کے متعلق یہ یاددہانی کی گئی تھی۔

---

(۳۰)

بنام

مہتمم کروڑگیری حیدرآباد دکن

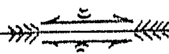
بخدمت جناب مہتمم صاحب کروڑگیری

ایک پارسل عطر کا میرے نام آیا ہی۔ دو تولے پانچ روپئے کا ہی ملاحظہ فرما کر واپس فرمائیے۔

فصیح الملک داغ دہلوی
۵ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ

حیدرآباد دکن میں چنگی (میونسپلٹی) کو کروڑگیری کہتے ہیں، وہاں کا عام دستور یہ ہی کہ باہر سے محصول طلب پارسل محکمۂ چنگی کے محاسنے کے بعد پانے والے کو دیا جاتا ہی۔ معززا ور طبقۂ امرا کا یہ معمول تھا کہ ایسے پارسل اپنی تحریر بھیج کر

منگوا لیے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی کے مطابق یہ رقعہ بھیجا گیا۔ عوام النّاس کے لیے ذاتی تصدیق وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ رقعہ مولوی لطیف احمد صاحب اختر مینائی (نواب اختر یار جنگ بہادر معتمد امور مذہبی) کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، جو اُس زمانے میں بعد وفات حضرت امیر مینائی امیدوارانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور اکثر مرزا صاحب کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ دستخط خود مرزا صاحب کے ہاتھ کے ہیں۔



(۳۱)

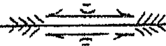
بنام

نواب سیّد جعفر علی خاں عرف نواب پیارے صاحب رئیس شمس آباد (فرخ آباد)

نواب صاحب مصدر الطاف و کرم دام عنایتکم

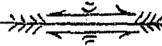
عنایت نامہ آیا بسبب علالت کے جواب میں دیر ہوئی۔ ڈھکنے ٹھلیوں کے نوایجاد بقیمت بھجوا دیجیے۔ عیسوی سن کی تاریخ تو لاجواب ہے مگر مستزاد کی بحر میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ کا خط ملفوف بھیجتا ہوں۔ مکرّر ملاحظہ فرما کر میری تشفی فرمائیے۔ زیادہ نیاز۔ آپ کا کارڈ بھی ملفوف ہے۔

فصیح الملک داغ دہلوی



اس خط کی نقل مجکو مولوی مہیش پرشاد صاحب صدر شعبۂ اُردو فارسی بنارس یونیورسٹی سے ملی اور اُن کو مکتوب الیہ کے ایک عزیز سے۔ اصل خط میں "دیر ہوئی" کے بعد کے الفاظ نہیں پڑھے گئے کاغذ کی کمزوری اور

روانیِ قلم سے کچھ حروف مٹ گئے تھے۔ مَیں نے مکتوب الیہ کے فرزند ارجمند نواب سید اصغر حسین عرف لاڈلے صاحب واقف سے دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ اُس زمانے میں اُن کے کسی عزیز نے پانی کی ٹھلیوں کے لیے جست کے ڈھکنے اختراع کیے تھے کہ وہ ٹھلیوں پر سرپوش کا کام بھی دیتے اور مقفّل بھی ہوجاتے تھے اُنھیں کی فرمائش مرزا صاحب نے کی تھی۔ یہ اصل خط سیّد فرخ حیدر صاحب بی۔اے، ال۔ال۔بی وکیل فتح گڑھ کے پاس ہے۔



(۳۲)

بنام

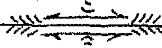
نواب حیدر علی خاں صاحب برادر خُرد خلد آشیاں نواب کلب علی خاں

والیِ رامپور

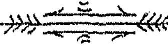
نواب صاحب عالی جناب معلّی القاب مصدر الطاف بےکراں زید اللہ اقبالہ

تسلیم نیاز قبول ہو۔ اخبار دبدبۂ سکندری (رامپور) کے مطالعے سے معلوم ہُوا کہ آپ نے صاحب زادی صاحبہ کی شادی بڑی دریا دلی سے فرمائی۔ یہ خاکسار بھی مبارک باد دیتا ہے۔ مَیں نے اسی کو غنیمت جانا کہ از روئے اخبار مجھ کو خیریت تو معلوم ہوئی ورنہ آپ نے تو سلسلۂ خط وکتابت بلا وجہ عرصے سے موقوف کر دیا ہے۔ صاحب زادہ محمد سعادت علی خاں بہادر نے بھی یاد نہیں کیا۔ مَیں مکلّف خدمت اسی قدر ہوں کہ خیریت سے یاد وشاد فرماتے رہیے۔ اگر" ہوس است ہمیں قدر بس است"۔ شیخ کلّن صاحب کو مَیں نے خط لکھا کہ وہاں کی

خیریت لکھو انھوں نے جواب قلم انداز کیا۔ اس سے سخت افسوس ہوا زیادہ نیاز۔
خاکسار فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۱۰ر فروری ۱۹۰۲ء محبوب گنج حیدرآباد دکن



مکتوب الیہ (نواب حیدر علی خاں) اپنے بڑے بھائی خلدآشیاں نواب کلب علی خاں والیِ رامپور کے بعد رامپور کی سکونت ترک کر کے بلسی ضلع بدایوں میں رہنے لگے تھے جہاں اب بھی اُن کے اخلاف قیام پزیر ہیں۔ مرزا داغ اور نواب حیدر علی خاں صاحب میں بہت خصوصی اور بے تکلّفانہ مراسم قدیم تھے، جن سے ریاستی تعلّقات کے علاوہ مثنوی فریادِ داغ کے واقعات بھی وابستہ تھے۔



فصل دوم

مخصوص اعزّہ، خاص احبّا اور عام شناسا و تلامذہ کے نام

بنام
مسماۃ عزیز بیگم صاحبہ

ہمشیرہ عزیزہ عزیز بیگم صاحبہ سلّمہا ربہا

تمھارا خیریت نامہ پہنچا، حاجی عبدالغفار صاحب کو میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ اب تمھارا خط اُن کو بھیجے دیتا ہوں، اس کو دیکھ کر دیکھوں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ بہر نہج ایک ہزار رُپے کا بندوبست ضرور کرو۔ انشاءاللہ تعالےٰ میرے پاس روپیہ ضرور آئے گا کہ بادشاہوں کا قول لغو نہیں ہوتا۔ حکم الٰہی کی دیر ہے۔ اگر روپیہ آجاتا تو فوراً تمھارے پاس ہزار روپیہ بھجوا دیتا۔ بیوی صاحب کو بعد سلام کے معلوم ہو کہ حکیم صاحب سے کہو کہ میرا گھر والا دکن میں ہے، وہی میرا گھر ہے۔ میں دلّی میں مسافر ہوں۔ جلد جلاہوں سے فراغ حاصل کرو۔ برخورداری لاڈلی بیگم نے مجھکو لکھا تھا کہ میرا آنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ میں نے فوراً جواب لکھا کہ میری عین تمنّا ہے مگر مصلحت اور رضامندی تھاری والدہ کی ضرور ہے اگر ان کی مرضی ہو تو عبدالحمید کو اور ایک ناصرالدین کے آدمی کو لے کر چلی آؤ۔ پھر اس کا کچھ جواب نہ آیا۔ یہ ممکن نہیں کہ میرا خط

نہ پہنچا ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے صاف لکھو۔ شیخ کریم بخش سے کہہ دینا کہ میں خود تمھیں بلاؤں گا جب بلاؤں تو آئیں، ابھی دلّی کی اور ہوا کھائیں۔ آج بدھ کا دن ہے اور جمعرات کی رات، اس وقت تک نہ مرزا آئے نہ امیر مرزا۔ دونوں جے پور میں ہیں، مگر خط آیا ہے کہ دونوں بھائی آج کل میں آنے والے ہیں۔ اولیا بیگم کا کبھی سلام نہیں آتا۔ کیا عتاب ہے۔ اُن کی پوتی کو دعا۔ ان کو سلام۔ برخوردار ناصرالدین احمد طال عمرہ کو بہت بہت دعا پہنچے۔ میں نے پہلے خط میں یہ بھی دریافت کیا تھا کہ ششش ماہی کا روپیہ کس حساب سے ملا۔ اس کا جواب بھی نہ ملا۔ مرزا شجاع الدین خاں کا خط آیا وہ دلّی آگئے انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ آیندہ لکھوں گا مگر لاڈلی بیگم کو لکھنا ضرور تھا، زیادہ کیا لکھوں۔ عبدالغنی آداب عرض کرتا ہے۔

داغ دہلوی۔ ۵ اکتوبر ۱۸۹۳ء

یہ خط عبدالحمید ملازم کی معرفت بھیجا گیا تھا۔ سرنامے کے الفاظ یہ تھے۔

دلّی۔ کوچۂ پنجہ بنداں۔ برمکان نواب مرزا خاں صاحب دہلوی رسیدہ۔ معرفت عبدالحمید ملازم کے چھوٹی ہمشیرہ کو ملے۔

---

(۲)

ایضاً

ہمشیرہ عزیزہ عزیز بیگم صاحبہ سلّمہا ربہا

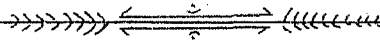
دعا کے بعد معلوم ہو کہ حاجی عبدالغفار صاحب کی تحریر سے

معلوم ہوا کہ حاکم نے وصیت نامہ جائز رکھا اور تمھارے مقدّمے کو خراب کیا۔ مدعا علیہ نے ہزاروں روپیہ صرف کیا۔ تم کسی طرح نہ گھبرانا، بہت اطمینان رکھو۔ انشاءاللہ تعالےٰ لاہور سے اس مقدّمے میں ہم فتح پائیں گے، فقط وصیت نامے کے خارج نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے ہمارا تو دعویٰ بہت کچھ ہے خدا نے چاہا تو یہ وصیت نامہ لاہور سے خارج ہوگا اور یہ مقدمہ گواہوں کے بگڑنے سے خراب ہوا ہے۔ اس قدر جو روپیہ صرف ہوا ہے تو اب کیوں کر چھوڑ دیا جائے اور تمھارا جو روپیہ صرف ہوا ہے اُس کا تردد نہ کرنا، اللہ دینے والا ہے اور یہ بھی کہے جاؤ کہ اگر یہاں مقدّمہ بگڑگیا تو کیا ہوتا ہے، ہم لاہور سے لیں گے۔ تمھارے ابّا کی طرف سے بعد دعا کے معلوم ہو کہ حاکم نے جو خلاف حکم دیا ہے تو اس سے گھبرانا نہیں اس لیے کہ صرف وصیت نامے کا جائز اور ناجائز ہونا ہمارے اصل مقدّمے میں کوئی فتور نہیں ڈال سکتا اور انشاءاللہ یہ وصیت نامہ بھی لاہور سے ناجائز ہو جائے گا۔ رُپیئے کی طرف سے نہ گھبرانا جو کچھ میرے پاس ہے سب تمھارا ہے اور اس مقدّمے سے خرچنے کے واسطے بھی کہیں لوگوں کے کہنے سننے میں آکر گھبرانا نہیں ابھی سارا مقدمہ باقی رکھا ہے یہ دعا کرو کہ ہماری تمھاری تندرستی اور زندگی رہے۔ تم کو ہماری جان کی قسم جو تم ذرا بھی فکر کرو، اگر تم ذرا سی بھی فکر کروگی تو ہم کو بہت رنج ہوگا اور اس وصیّت نامے کے جائز ہو جانے سے مجھ کو ذرا بھی رنج نہیں اس واسطے کہ میرا دل اور میری ہمت تو یہی کہتی ہے کہ ہم ضرور آخر کو جیتیں گے

پھر ابھی سے کیوں فکر کریں۔ انتہا تک اس مقدمے کو پہنچا کر اور اور انشاء اللہ جیت کر رہیں گے۔ زیادہ خیریت۔ سب کو درجہ بدرجہ دعا سلام۔ فقط۔ لاڈلی بیگم، برخوردار ناصر الدین احمد آداب کہتے ہیں سب کو۔

فصیح الملک داغ دہلوی

۱۵ دسمبر ۱۸۹۵ء



(۳۳)

بنام

مسماۃ اولیا بیگم صاحبہ

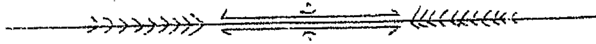
بہن اولیا بیگم صاحبہ۔ دعا کے بعد معلوم ہو واقعی تمہارے دو خط آئے، میں نے بار بار سخت تقاضا کیا۔ اب معلوم ہوا زبانی لاڈلی بیگم صاحبہ کے، کہ پچاس رُپیے انھوں نے تم کو بھیجے۔ اور اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ چونتیس ۳۴ رُپیے باقی رہے، وہ بھی بھیجے جائیں گے۔ جس وقت وہ پچاس تمھارے پاس پہنچیں مجھ کو اطلاع دینا۔ اب تمھاری منہ کی بیماری کا کیا حال ہے؟ تم نے خط میں نہیں لکھا۔ تم لوگ اپنی والدہ کی قبر پر بھی جاتی ہو؟ ضرور وہاں جاؤ اور قبروں کا حال مجھے لکھو۔

بہن عزیز بیگم کو معلوم ہو اوّل اپنے مزاج کا حال لکھو اور پھر اپنے مقدمے کی کیفیت۔ حاجی عبدالغفار صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ اسی نومبر کے مہینے میں کوئی تاریخ پیشی کی مقرر ہوگی۔

تم سے بھی کچھ انھوں نے کہلا بھیجا کہ نہیں - میں ہر خط میں اُن سے حال پوچھتا ہوں - تمھاری بہو کہاں ہی؟ کیا حال ہی؟ بھائی غلام قدوس کیسے ہیں؟ ہم تو اُن کی خدمت کیے جاتے ہیں مگر وہ کبھی نہیں پوچھتے۔ مجھ کو تخمہ پڑا تھا۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ اُس روز خدا نے زندگی کر دی۔ مگر وجعِ مفاصل سے جوڑ جوڑ میں درد ہی اور تمھاری آپا کے مرنے سے نہایت تکلیف میں ہوں۔ چار مہینے کی تنخواہ چڑھی ہوئی ہی اگر وہ اکٹھی مل جائے تو تمھارے تین سو رُپئے جو مجھ کو کھٹک رہے ہیں وہ ضرور بھیج دوں۔ انشاء اللہ اب ملے گی۔ گھبرانا نہیں۔ دل جان کیسی ہی اور اس کا نواسا کہاں ہی؟ وہ شہزادہ ہی۔ میں غریب آدمی، وہ مجھکو کیا سمجھے۔ سب کو دعا پہنچے فقط یہاں سب خیریت ہی۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۰۳ء

فصیح الملک داغ دہلوی

ترپ بازار، حیدرآباد دکن



(۴۸)

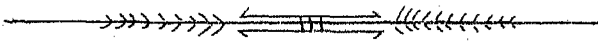
ایضاً

اولیا بیگم صاحبہ کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ تمھارا خط پہنچا، تمھاری علالت کی کیفیت مجھ کو بادشاہ بیگم نے جر پور سے لکھی ہی، آج ہی خط آیا ہی۔ چوں کہ میں بہت سخت علیل ہوں، دورہ قلب کا اور دماغ کا پڑتا ہی، ڈھیروں پسینا چھوٹتا ہی، جان پر بن جاتی ہی۔ تم بھی بیمار، میں بھی بیمار، بادشاہ بیگم بھی بیمار۔ چل چلاؤ کے دن ہیں

تم کو مناسب ہے کہ چیلوں کے کوچے میں جا رہو۔ یہ مکان خطرناک ہے۔ اور اپنا اسباب بھی کُل لے جاؤ، عزیز بیگم کو بھی یہی مناسب ہے۔ حاجی عبدالغفار صاحب کا خط آیا تھا، میں نے مکان کی بابت انھیں لکھ دیا ہے کہ اسے بیچ ڈالو اور بدرو د کی بابت۔ خدا جانے وہ نالیاں کہاں پھینکیں اور کہاں جائیں گی۔ یقین ہے کہ نیچے بندوں کے کوچے کے نالے سے مکان میں ہوکر رحمان کے کوچے میں جائیں گی۔

سب کی طرف سے بندگی پہنچے۔　　فصیح الملک داغ دہلوی

۲۰ مئی ۱۹۰۴ء بروز جمعہ



(۵)

بنام نواب سید بہادر حسین خاں انجم نیشاپوری لکھنوی

میر صاحب مکرّم سلامت۔ داغ کو جلا کر خاک میں ملا کر آپ لکھنؤ چلے گئے۔ خیر صبر و شکر۔ چونکہ یہ بے وفائی اور رنج ادائی آپ نے اڑائی ہے۔ ہم بھی ہنہم سمجھے۔ اے شخص اللہ رے تیرا داغ، چلتے وقت ملنا اور اس تمکنت اس استغنا کے ساتھ۔ رحم نہ آیا۔ ترس نہ کھایا کہ ایک کشتۂ تیغ فراق تڑپ رہا ہے اس کی دل جوئی کیجیے، یا اُس کی تلافی یہ ہوئی کہ لو ہم جاتے ہیں۔ اچھا جاؤ غارت ہو، ٹھہرا صبر کرلیں گے۔ وہ قافلہ لکھنؤ سے

عظیم آباد پہنچا، وہاں سے ایک قیامت نامہ میرے نام آیا جس کا مضمون قابل تحریر نہیں۔ جس ساتھ کی میری تصویر سیّد ناظر حسن کو دی ہے اس کے ساتھ کی چند تصویریں اور مجھ کو عنایت ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جو حال آپ نے دیکھا وہ میری کیفیت کسی اور سے نہ کہنا۔ خدا کے واسطے خاک میں نہ ملا دینا۔

راقم مرزا داغ عفی عنہ

۲۰ر اپریل ۱۸۸۱ء

(۶)

ایضاً

حضرت سلامت۔ سلامت رہیے۔ دو خط اور ایک لفافے میں چند تصویریں داغ روسیاہ کی پہنچیں، مرہون منّت کیا۔ میں بہت دنوں سے علیل رہتا ہوں۔ رزق رام پور میں اُترا اور صحت وطن میں۔ کچھ بن نہیں آتا۔

حجاب سے بے وجہ ترکِ نامہ و پیام ہے۔ کمبخت اک بلائے بے درماں تھی کہ جس کے تصوّر سے اب تک نجات نہیں۔ ہرچند اب بہت صبر آگیا۔ لوگوں نے اُس کو یقین ہے بہکایا۔ خدا ایسوں کو غارت کرے۔ داغ کے مزاج میں بے وجہ عتاب کی تاب نہیں۔ آپ نے ناحق میری تصویر بھیجی۔ میں اُن سے کمال ناراض ہوں۔ آج کچھ طبیعت اچھی نہیں ورنہ گرما گرم جواب جاتا۔ والسلام۔ نواب مرزا داغ۔ ۲۴ر جولائی ۱۸۸۱ء

(۷)

ایضاً

جناب خاں صاحب عنایت و کرم فرما، مجمعِ محاسنِ فراواں مصدرِ منّت و احسان بہادر حسین خاں صاحب دام عنایتہ۔ بعد سلام مسنون واضح ہو کہ میں بخیر و عافیت وارد پٹنہ عظیم آباد ہوا۔ محلہ گڑ ہٹّا مکان سید باقر صاحب میں مقیم ہوں۔ چار روز ہوئے کہ وہ کلکتے روانہ ہو گئے۔ سید قطب الدین کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت خراب، گرمی کی نہایت شدّت۔ اہل عظیم آباد نے میری اس قدر خاطر و عزت کی ہو جس کی حد نہیں۔ کلکتے نہیں جانے دیتے۔ میری طبیعت علیل ہوئی جاتی ہو اب بھی علیل ہو۔ سرکار میں خط بھیجا ہو۔ ان کے جواب کا منتظر ہوں۔ منشی تیغ بہادر نے جو اپنے اخبار میں دیوان کے آنے کی کیفیت لکھی ہو اس کی نقل جلد بھجوا دو۔ چھپنے کی جلد کیفیت لکھو۔ اپنی خیریت سے آپ جلد آگاہ کریں۔ سب دوستوں کو سلام پہنچے۔

راقم نواب مرزا داغ دہلوی۔ ۷ رمئی ۱۸۸۲ء

(۸)

ایضاً

بندہ پرور۔ یہ کس کم بخت کی تمنا ہو کہ ایک شفیق مسافر

مہمان کو بلالوں تو جاؤں۔ اس خاکسار سے یہ گمان بھی غلط۔ اگر پیامی نے بیان کیا تو خدا اسے سمجھے۔ جو اس وقت ہم نشین ہیں اُن کی زبان پر یہ کلمے بلا شُبہہ آتے ہیں کہ وہیں روک دیا کہ ہم تمھاری چالوں اور اتّحاد سے واقف ہیں۔ ہم خاک پا احباب بے ریا ہیں، البتہ پہلی جو خبر ملی کہ چلے گئے یہ شاید تمکنت کی لی ہو گی۔

کئی روز سے آنا چاہتا ہوں، وقت ملنے کا پوچھتا ہوں صاف جواب نہیں ملتا اب ملاقات سے کیوں کنیاتے ہیں، میں رقیب نہیں ہوں، آپ نے نہ مل کر میرا مزا خاک میں ملا دیا، بلکہ وہ بھی آپ کے شاکی گئے۔ یہ بھی اُن سے معلوم ہوا کہ ایک تصویر اس روسیاہ کی اُس نے آپ سے چھین لی۔ آپ کا لکھنا بہت بجا تھا۔ مجھ کو کہو میں آنکھوں سے حاضر ہوں۔ آپ ہرگز تکلیف نہ فرمائیں کہ میرے پاس ہجوم رہتا ہے۔ ایک تازہ شعر لکھتا ہوں۔

شب ہجراں کے جاگنے والے ایسے سوئے کہ پھر خبر نہ ہوئی

داغ دہلوی

(۹)

ایضاً

ای میرے چاہنے والے میزبان تیری دلسوزی کے قربان۔ مثنوی مطبوعہ ضرور خدمت میں پہنچے گی۔ اس کا مزہ جس کو ہے

اس کو ہی۔ صاحبان اعتراض کیا جانیں۔ ہیں ایسوں سے نہ امیدوارِ ستائش و گلہ نہ اُن سے شکایت و گلہ۔ افسوس لکھنؤ بھی خالی ہوگیا۔ اہی خدا ناترس! کبھی تو مژدۂ خیریت سے شاد فرما۔ داغ کو اس قدر نہ ترسا۔ والسلام ۲۶ رمئی

(۱۰)

ایضاً

شفیقی مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں آپ کو نہیں بھولا مگر دو خطوں کا جب جواب نہ ملا تو خاموشی اختیار کی۔ آپ الٹی شکایت کرتے ہیں قطعۂ تاریخ حالت علالت میں موزوں کرکے پیش کرتا ہوں۔ بوڑھے آدمی کی تصویر لے کر کیا کرو گے۔ خیر، وہ بھی روانہ کرتا ہوں۔ یہاں راجہ دین دیال مصوّر کا ڈنکا بج رہا ہی۔ ہمیشہ خیریت سے آگاہ فرماتے رہیے۔ والسلام

فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۲۴ر جون ۱۹۰۴ء روز جمعہ

قطعۂ تاریخ مثنوی سید بہادر حسین خاں صاحب انجم لکھنوی

اہی بہادر حسین خاں نوّاب — تو ہی انجم سپہر معنی کا
ہاتھ سے تیری طبع موزوں کے — کھنچ گیا حسن و عشق کا نقشا
کیا فصاحت ہی کیا بلاغت ہی — واہ اس مثنوی کا کیا کہنا
ہر مورّخ کی اس کے صفحوں پر — خوب تصویر ہوگئی زیبا

داغ نے یہ نئی کہی تاریخ
آپ تصویر مثنوی آہا
۲۲ ھ ۱۳

(۱۱)

ایضاً

نواب صاحب مصدرِ عنایت وکرم سلّمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا خط آیا۔ شکر ہے کہ آپ نے میری تاریخ پسند کی۔ تصویر میں دُبلا پا کیا دیکھتے ہو۔ بسبب علالت دائمی کے اس سے بھی آدھا رہ گیا ہوں۔ زیادہ کیا لکھوں۔

فصیح الملک داغ دہلوی

۱۵ر جولائی ۱۹۰۴ء

(۱۲)

بنام کنور اعتماد علی خاں رئیس سعد آباد ضلع متھرا

جناب والا سلامت!

پرسوں چہار شنبے کو خط مفصّل لکھ چکا ہوں، یہاں سب طرح خیریت ہے مگر میں علیل ہوں کہ ٹخنے سے پنجے تک بائیں پاؤں میں درد ہوکر ورم ہوگیا، نہایت تکلیف ہے۔ آپ کا خط ۳۔ کا لکھا ہوا اس وقت ۶۔ کو پہنچا، طبیعت کی صفائی نہ ہونے سے تردّد ہے۔ احتیاط، پرہیز، معالجہ شرط ہے۔ میں اپنی زندگی سے زیادہ آپ کی دُعا مانگتا ہوں کہ آپ ہی پیٹ کی خبر لے رہے ہیں۔ معاملۂ معلومہ کا خیال رہے جس کا وعدہ مہینا بھر کا ہے۔ ورنہ زہر

کھانا پڑے گا، میں باہر نہیں نکلتا کہ قرض خواہ تکلیف دیتے ہیں۔
اشعار سب اچھے ہیں، آفریں ہے۔ جلد جلد خیریت لکھیے، بچوں کو دعا، احباب کو سلام پہنچے۔ داغ دہلوی۔ ۶ر جولائی ۱۸۸۹ء



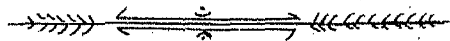
(۱۳۳)

بنامِ سابق

بندہ پرور!

میں ان دنوں سخت پریشان ہوں، خدا رحم کرے۔ دعا کیجیے ایک لفافہ کا جواب باصواب تو حیدر آباد سے آیا کہ حضور کلام دیکھ کر بہت خوش ہوئے، بہت تعریف فرمائی۔ کشیدہ خاطر نہیں ہیں۔ دوسرا لفافہ بھی پہنچ گیا ہے۔ جواب ابھی نہیں آیا۔ میرے چلے آنے کا اُن کو ملال تھا وہ بفضلہ رفع ہوگیا۔ کلدار کی بوچھار ہو تو کام چلے۔ بچوں کو دعا۔ احباب کو سلام۔ پہلی غزلیں پیچھے بھیجوں گا کہ طبیعت حاضر نہیں ہے۔

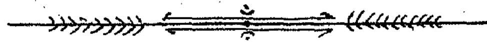
داغ دہلوی۔ ۱۲ر اگست ۱۸۸۹ء



کنور اعتماد علی خاں، حسرت تخلص، سعد آباد ضلع متھرا کے رئیس اور مرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ رام پور سے آنے کے بعد مرزا داغ اکثر ہفتوں اور مہینوں کنور صاحب کے مہمان رہے اور شاگرد نے اپنی حیثیت کے مطابق اپنے استاد کی خدمت کی۔ اور یہ امدادِ مالی مدت تک

جاری رہی جس کا اندازہ ان کے نام کے خطوط سے ہوگا۔ رام پور سے جدا ہونے کے بعد ۳-۴ سال تک مرزا داغ بہت متردد اور پریشان حال رہے اور اس زمانے میں کبھی دہلی، کبھی علی گڑھ کبھی متھرا اور کبھی پنجاب وغیرہ قیام پذیر رہے کنور صاحب سے خط وکتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مگر افسوس ہے کہ ۱۰-۱۲ خطوں سے زیادہ سرمایہ ہاتھ نہ آسکا۔

جیساکہ مقدمے میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مرزا داغ اپنے ہاتھ سے بہت کم خط لکھتے تھے مگر کنور صاحب کے نام اکثر اپنے دست وقلم ہی سے کام لیتے تھے، اور جوابات اکثر اصل خطوں کے حاشیے یا بین السطور میں لکھے جاتے تھے۔ مندرجہ بالا دونوں خط مرزا کے ہاتھ کی نگارش ہیں جو سرخ رنگ کے پتلے کاغذ پر ہیں کنور اعتماد علی خاں نے ۱۹۳۷ء میں انتقال کیا۔ اور تقریباً اسی برس عمر پائی۔



(۱۴)

بنام سابق

جناب والا!

برخوردار کے ختنے کی شادی مبارک ہو۔ کئی دن سے گھر سے باہر نکلا پڑا ہوں۔ آج وہ شادی ختم ہوگئی مگر اس کی شاخیں باقی ہیں۔ میری عاقبت بخیر ہونے کی دعائیں ضرور مانگتے رہیے۔

راقم داغ دہلوی ۱۸۹۰ء



(۱۵)

بنام سابق

بندہ نواز - ۱۹-کو غزلیں اصلاح شدہ واپس گئیں، میں لکھ چکا ہوں کہ انشاء اللہ تعالےٰ ہفتے کے دن ۲ رشعبان کو حیدرآباد روانہ ہوں گا، حضور پرنور کو لکھ بھیجا ہے۔ کل تار آیا کہ تمھارا وہاں ٹھہرنا مناسب اور اچھّا نہیں، پھر خط بھی کل آیا، میں رُپئے کے انتظار میں تھا کہ کنّور صاحب آدمی کے ہاتھ روپیہ بھیجیں گے، آج کے خط سے معلوم ہوا کہ میرا خط نہیں پہنچا ہوش جاتے رہے، شاید بعد کو پہنچا ہو۔

سنپچنا زبان پورب کی ہے، خدا جانے کیا معنی ہیں۔

جس قدر جلد ہوسکے بلکہ تار پر یا آدمی کے ہاتھ روپیہ بھیجیے ضروریات بند ہیں۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مارچ وہاں کے دینے ہیں اور دوسو میں پہنچ جاؤں گا۔ انشاء اللہ یہ سب روپیہ جلد آپ کو پہنچے گا۔

مجھ کو جعفر علی خاں صاحب نے شادی میں، پنڈراول، خط بھیج کر، آدمی بھیج کر بلایا تھا۔ میں نے صاف انکار کیا۔

کرا دماغ کہ از کوئے یار برخیزد

میں چاہتا ہوں کہ وہاں آرام سے پہنچ جاؤں، گرمی کی طرف سے نہایت پریشان ہوں۔

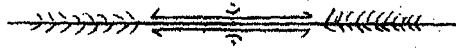
داغ دہلوی - ۲۳ رمارچ ۱۸۹۰ء

(۲۳)

بنام مرزا امام علی افسوس

مرزا صاحب - میرا حال الآن کما کان ہی - اللہ رحم کرے، جنم پترے کا خط پہنچا تمھارے پنڈت نے کیا جواب دیا - ایک مصیبت نامہ روانہ کر چکا ہوں - خدا جانے گھر پر کیا گزری -

داغ - ۲۲ ر جون ۱۸۹۰ء



(۱۶)

بنام کنور اعتماد علی خاں رئیس سعد آباد

نواب صاحب! میں نے درد نقرس کی نہایت تکلیف اٹھائی ابھی صحت نہیں ہوئی مگر تخفیف ہی - آسمان سرزمین دہلی میں نہیں رہنے دیتا - سردار مرزا نے بابت مکان رام پور کے نوٹس مجھ کو دیا ہی - مفت کا روپیہ اُن کے پاس ہی جھگڑے کرتے ہیں، مرزا ممتاز الدین خاں کے گھر کے لوگ کل انبالے گئے - بچے کے جانے کا نہایت قلق ہی -

برخوردار تحصیل علی خاں کی صحت سُن کر جان میں جان آئی - میری طرف سے دعا کہنا - بچے کو پیار کرنا - سب دوستوں کو سلام پہنچے -

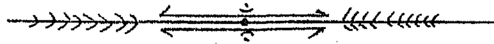
آگرے کے سوداگر سے جو انگریزی جوتا بادامی چمڑے کا

بنوایا تھا، اس سے ہست و نیست جواب حاصل کرکے مجھے اطلاع دیجیے۔ میرے عزیز میری تصویریں مانگتے ہیں۔ چند تصویریں اپنے واسطے رہنے دو، باقی مجھے بھیج دو کہ میں کہاں منگاتا پھروں۔

مرزا امام علی بیگ صاحب! اگرچہ نواب صاحب کو بے شک ہمارا خیال ہوگا اور رہے گا اور چار ہزار رُپئے کے مقدمے میں کوشش ہوگی مگر تم بھی یاد دلاتے رہنا۔ زیادہ خیریت ہے۔ جس وقت آپ کا خط آتا ہے اسی وقت جواب لکھتا ہوں۔

راقم داغ دہلوی

مورخہ ۲۱ر جولائی



(۱۷)

بنام سابق

بندہ نواز! کل ایک خط مع غزلوں کے روانہ کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ کئی خط روانہ کیے ہیں، آپ رسید نہیں بھیجتے کیا میرا خط کوئی نہیں پہنچتا، روپیہ بھی تار پر منگایا تھا یقین ہے وہ خط بھی پہنچا ہوگا۔ خلیفہ عبدالعزیز سنا ہے دلّی میں بیمار رہتے تھے مگر اب اچھے ہیں۔ اُن کو آپ خط لکھ کر میرے گھر کا حال دریافت کرتے رہیے اور تشفی کرتے رہیے۔ برخورداروں کو دعا۔ مرزا امام علی بیگ کو سلام پہنچے۔

یہاں جو میں نے مشاعرے کی غزل لکھی تھی یقین ہے کہ

ریاض الاخبار میں چھپ کر آپ کے پاس پہنچے۔
راقم داغ دہلوی

یہ خط بھی مرزا صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے مگر مقام اور تاریخ درج نہیں۔ قیاس غالب یہ ہے کہ حیدر آباد سے بھیجا گیا ہے اور جس خط کے جواب میں بھیجا گیا وہ ۷ مئی ۱۸۹۱ء کو سعد آباد سے روانہ ہوا ہے اس لیے یہ خط مئی کی کسی تاریخ یا جون کے ہفتہ اول کا لکھا ہوا جاننا چاہیے۔ مرزا امام علی بیگ میولی تحصیل جلیسر کے رہنے والے تھے اور افسوس تخلص کرتے تھے۔ اور مرزا غالب کے شاگرد تھے۔

---

(۱۸)

بنام سابق

حضور پُر نور کنور صاحب عالی مراتب سلامت۔

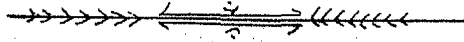
آج آپ کا خط تار کے جواب میں پہنچا اطمینان ہوا۔ ماہ مئی تک سو رُپیے ماہوار میرے پاس، پچاس رُپیے ماہوار اپنی استانی کے پاس بطور قرض اگر آپ عنایت کیے جائیں تو عین نوازش ہے یہاں میری کامیابی خاص آپ کی ذات سے متعلق ہے اور یہ مالعت ہے، اور کسی کے ممنون نہ ہونا، میں یہاں ایک اعلیٰ شخص گنا جاتا ہوں، بندگان عالی کے دل میں بہت گنجائش ہے، یہ خاص طور پر معلوم ہوا کہ میری عرضی پر دستخط ہو گئے، مگر

صندوق صرفِ خاص کا ابھی باہر سررشتے میں نہیں آیا کہ تعداد تنخواہ کی معلوم ہو۔ اب تک تو خدا نے یہاں با آبرو گزاری ہی کہ یہاں کسی سے قرض نہیں لیا۔ حد درجہ تین چار مہینے کی تکلیف اور ہی، خدا کی ذات سے امید تو یہی ہی کہ مہینے دو مہینے میں کامیابی ہو جائے، اور حسب قاعدۂ سلطنت ابتدا سے تنخواہ ملے، چنانچہ یہ ارشاد بھی فرمادیا ہی مگر شرح تنخواہ کی نہیں معلوم ہی حکم جاری ہو۔ صندوق کا غذات کا سررشتے میں آئے تو اجرائے کار ہو۔ بہت سے کام بند پڑے ہوئے ہیں۔ سات سو رُپئے کی خبر ہی مگر جب تک ظہور کامل نہ ہو میں یقین نہیں کر سکتا، انشاءاللہ اس سے زیادہ کی امید ہی، پہلی فروری کو میرے پاس رُپیہ پہنچنا چاہیے، اور اسی تاریخ تک دلّی میں میرے مکان کو۔ مکان کا پتا یہ ہی۔ دلّی۔ چاندنی چوک۔ کوچہ نیچہ بنداں میں خلیفہ عبدالعزیز دھرکن کے پاس پہنچ کر میرے گھر میں پہنچے یا فقط خلیفہ عبدالعزیز کے پاس پہنچے، یوں ہی کافی ہوگا۔ جس وقت دلّی آپ رُپے روانہ کریں مجھ کو بذریعہ تار اطلاع دیں اور یہ جو میں نے آپ سے استدعا کی ہی اگر منظور ہو یا نا منظور، بفور ملاحظہ ہذا بذریعہ تار مجھ کو اطلاع دیجیے۔ اہل رائے میرے گھبرا کر چلے جانے کو یہاں سے پسند نہیں کرتے، اور حضور پرُنور بھی مانع ہیں۔ صرفِ کثیر بھی ہو چکا ہی اور ہو رہا ہی میرا صرف یہاں زیادہ ہی، اگرچہ قرض طلب کیا ہی مگر آپ کا حال میں جانتا ہوں۔ دلّی میں چاندنی چوک میں شمھو ناتھ نام ایک بزاز مشہور ہی، قریب

دو ہزار رُپیئے کے اس کا دینا ہی، اس نے بڑا احسان کیا۔ عندالطلب وقتاً فوقتاً بغیر دستاویز کے بھیجتا رہا۔ اب وہ برسرِفساد ہی۔ کسی طرح سے چار مہینے تک اس کو سمجھا کر روکنا چاہیے میری تحریر پر وہ عمل نہیں کرتا۔ تمھاری استانی کا خط جو گھر سے آیا بڑی پریشانی لکھی اور شبّھو ناتھ کا تقاضائے شدید۔ میں گھبرا گیا کچھ نہ بن آیا تو آپ کو لکھا گیا۔ اگر سود کا روپیہ بھی اس کے پاس پہنچ جاتا تو وہ ٹھہر جاتا، آپ بطورِ خود سود کا رُپیہ اس سے دریافت کر کے مجھے اطلاع دیں۔

یہاں جو کچھ میں بکتا ہوں وہ فی البدیہہ ہوتا ہی۔ یہ دو دو گھنٹے کی فکر ہی جو ملفوف ہی بھیجتا ہوں حضوری فرمائشات ایسی ہی ہوتی ہیں۔ زبان کا لطف ہی۔ اور فی الفور اس کی تعمیل کی جاتی ہی۔ حضور پُرنور کا راضی کرنا بہت مشکل ہی۔ زیادہ خیریت۔ اس کا جواب جلد عنایت کیجیے۔ صاحب زادہ کو بہت بہت دعا کہیے اور دوستوں کو سلام۔ ایام جمعیت و کامرانی مدام باد۔ مرقوم ۱۸۔ شہر جمادی الاول ۱۳۰۶ھ روز دوشنبہ وقت شب۔ مکرّر یہ ہی کہ شاہزادہ ڈیوک آف کناٹ بہادر یہاں تشریف لاتے ہیں حضور کے مہمان ہوں گے۔ بڑی بھاری آرائش ہو رہی ہی۔ قریب آٹھ لاکھ رُپیئے کے تو آرائش وغیرہ میں صرف ہوا اور دیکھیے کیا دیتے ہیں۔ کسی شخص کو دم لینے کی فرصت نہیں۔ شہر بارہ کوس تک ہی۔ سبھی جگہ تیاری ہی۔ ہندستان میں جو چیت کی گرمی ہوتی ہی وہ یہاں اب ہی۔

زیادہ خیریت ہے۔ جواب طلب ضروری۔
نواب مرزا خاں داغ عفی عنہ (بخط طغرا)



(۱۹)

بنام سابق

جناب من۔ شکر ہے کہ بخیریت ہوں، ضعف معدہ کی شکایت ہے۔ پرسوں برخوردار ناصرالدین احمد طال اللہ عمرہ مع اپنی والدہ کے حسب الطلب اپنے والد کے دلّی۔ انبالہ روانہ ہوگئے۔ اس وقت تک رسید کا تار نہیں آیا، پریشان ہوں۔ انھیں سے دل لگی تھی، کیا کہوں جو کچھ دل پر گزر رہی ہے خصوصًا تمھاری استانی صاحبہ ماہی بے آب ہو رہی ہیں، اگرچہ ان لوگوں کو یہاں آنے میں اور رہنے میں اور جانے میں زرِکثیر صرف ہوا بہت زیر باری ہوئی مگر دل لگی جاتی رہی، میں تمھاری استانی صاحبہ کو بھی روانہ کرتا مگر اُن کے جانے میں ایک ہزار رُپیہ چاہیے کہ عزیز و احباب کے لیے سوغات جاتی، نیاز و دعوت کرنی تھی اس لیے نہ بھیج سکا۔ میرا وہ حال ہے جو سعد آباد میں تھا۔

آج کل اعلیٰ حضرت کو شعر وسخن کی طرف کامل توجہ ہے۔ یہ مصرع طرح کا ہے:-

یہ چوٹی کس لیے پیچھے پڑی ہے

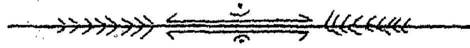
پڑی۔ لڑی، گڑی قافیہ ہے میں نے ۴۲ شعر ایک دن میں کہے

مگر حضور پُر نور نے ۱۱۲ شعر کی چار غزلیں کہیں۔ بہت ہی اچھی طبیعت پائی ہی۔ تمام شہر نے اس میں غزل کہی ہی لکھنؤ تک سے (غزلیں) چلی آرہی ہیں۔

میں اپنی ترقی کی بہت کچھ خبریں سنتا ہوں۔ یہاں تو خدا پر قناعت ہی۔ عبدالحمید صاحب آزاد آپ کے شاکی ہیں۔ اُن کے خط کا جواب آپ نے نہیں لکھا۔ میری طرف سے اور میرے گھر کی طرف سے بچوں کو دعا کہنا اور پیار کرنا۔ فقط۔ وہاں کی بارش کا حال لکھو، یہاں خوب بارش ہی۔

سلخ محرم سنہ ۱۳۱۰ھ نواب مرزا خاں داغ دہلوی

حیدر آباد دکن



(۲۰)

بنام سابق

جناب من! الحمدللہ کہ اس وقت میں فی الجملہ صحیح ہوں، دوا چلی جاتی ہی۔ ایک مہینے تک درد نقرس کا پابند رہا۔ نوکری پر ہوں، چار مہینے سے سفر ہی۔ فرصت نہیں، کما حقہ صحت نہیں۔ برس دن سے بیماری کچھ نہ کچھ چلی جاتی ہی۔ بعد محرم شریف کے شاید فرصت ہو۔

فصیح الملک داغ دہلوی

دوم ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۳ھ یوم پنجشنبہ

(۲۱)

بنام سابق

بندہ پرور! میں نے آپ کے دیوان کا نام "چمنستان سخن" رکھا ہے۔ یہ دیوان محرم سے پہلے نہیں چھپ سکتا۔ اگر کہیے تو اسی پر مصرع لگاؤں ۔ جواب کا طالب

فصیح الملک داغ دہلوی

۱۲ مئی ۱۸۹۶ء یوم سہ شنبہ

میں پانچ مہینے سے سفر میں ہوں، گھر پر خدا جانے کہاں کہاں کے کاغذ ہیں۔ قصیدے کو آپ لکھتے ہیں نہیں پہنچا۔ مکان پر قیام ہو تو دیکھا جائے۔

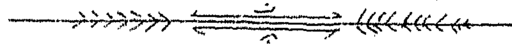


(۲۲)

بنام سابق

جناب من! نہ میری طبیعت اچھی رہی نہ مجھ کو کارسرکار سے فرصت ملی۔ گھر کے لوگ بھی مہینا بھر سے دلّی گئے ہوئے ہیں، یقین ہے مہینا بھر میں آئیں۔ یہاں بھی غضب کا قحط ہے، اللہ رحم فرمائے۔ سارے ہندستان میں یہی بلا ہے، اپنی خیریت سے اور بچوں کی عافیت سے اطلاع فرماتے رہیے۔ یہاں تو مہینے میں تین فرزند اعلیٰ حضرت کے انتقال کر گئے۔ غم پر غم

اور صدمے پر صدمہ ہے فقط یکم نومبر ۱۸۹۶ء

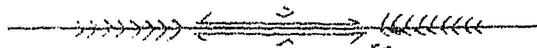


(۲۴)

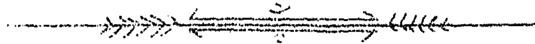
بنام نعیم الحق آزاد شیخو پور (گورکھپور)

یاد فرمائے داغِ مہجور سلّمہ اللہ الغفور۔ میں حیدرآباد میں بامید کامیابی پڑا ہوں، انشاءاللہ جلد کامیاب ہونے والا ہوں۔ مچھلی شہر والے صاحب کا گلدستہ مجھ تک نہیں پہنچتا کہ حال معلوم ہو۔ ہمیشہ کوئی غزل ریاض الاخبار میں نہیں بھیجی جاتی۔ اُن کو بھی شکایت رہتی ہے۔ یہیں کے کام سے فرصت نہیں۔ تیسرا دیوان مہتاب داغ ناتمام ہے اس کے چھپنے کی خبر غلط فقط۔ والسلام نواب مرزا داغ عفی عنہ

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ از حیدرآباد دکن



شیخ نعیم الحق، آزاد تخلص،

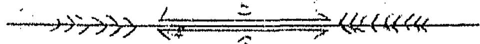


(۲۵)

ایضاً

میرے مہربان! تمھارا خط ۳ نومبر کا آج ۱۰ کو پہنچا۔ میری تنخواہ ابھی جاری نہیں ہوئی، اگرچہ مقرر ہو گئی ہے۔ سیلاب نے

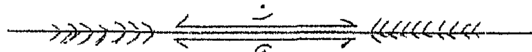
اس نواح کو بہت تباہ کیا۔ مجھ کو بہت خیال تھا۔ یہاں بفضلہ
آب و ہوا بہت اچھی رہی۔ آج کل بھی شدت سے مینہ برس رہا ہے۔
اپنی خیریت ہمیشہ لکھتے رہیے۔ والسلام۔ راقم داغ دہلوی
از حیدرآباد دکن۔ محبوب گنج مکان مولوی ظہور علی صاحب وکیل



(۲۶)

ایضاً

مہربانا! آپ کے خطوں کا جواب پہلے روانہ ہو چکا ہے۔
اپنے مکان میں دریافت کیجیے۔ میں بخیر ہوں، مگر تنخواہ کا پتا
ہی اب تک نہیں۔ چار مہینے ہوئے نہایت تکلیف ہے۔ مسٹر
منڈ روز صاحب انگریز مصور متخلص بہ مضطر اس نواح کے ہیں۔
اب وہ کہاں ہیں، ان کا پتا لگائیے گا۔ ۱۲؍اپریل ۱۸۹۱ء
نواب مرزا داغ دہلوی عفی عنہ۔



(۲۷)

نبی جان طوائف (الہ آباد) کے نام

حور کی صورت، نور کی مورت خوش رہو اور ہم سے ملو۔
کل محمد نوح صاحب تشریف لائے۔ آج بر سبیل تذکرہ تمہاری
طرف سے ہمارا ایک ہدیہ پیش کیا یعنی تمہاری تصویر۔ تصویر نہیں بلکہ تیر۔

نام پوچھا تو سن کر خواہ مخواہ ایمان لانا پڑا (نبی جان بتقدیم نون) بار خدایا ایسی صورت بھی تو نے پیدا کی ہے۔ سیرت کی تعریف سنی تو صورت سے بڑھ کر۔ خوش آواز۔ خوش مزاج۔ پھر اس پر لکھی پڑھی۔ زمانہ ایسے لوگوں کی جتنی قدر کرے بجا ہے۔

بُت ہی پتھر کے کیوں نہ ہوں اے داغ
اچھی صورت کو دیکھتا ہوں میں

کیوں جی! تم سے کیوں کر ملیں، تم کو کیوں کر دیکھیں، کیوں کر سنیں اور نہ دیکھیں تو کیوں کر جییں۔ جو شخص ازلی عاشق مزاج ہو خیال کرو اس کا کیا حال ہوگا۔ تم سے یہ امید نہیں کہ خواب میں بھی کبھی آؤ۔ ہائے مجبوری وائے مجبوری۔

میں نے سنا ہے کہ "مہتاب داغ" تمھارے پاس نہیں ہے، بطور ہدیہ میں بھیجوں گا۔ اگر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہے تو غنیمت ہے۔ میں نے جو تحریر میں سبقت کی ہے یہ خلاف عادت ہے۔

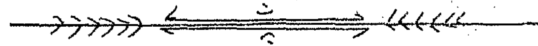
دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی

سوءِ ادبی کے خیال سے تمھارے نام میں ایک نقطے کا تغیر و تبدیل کر دیا ہے۔ نون کا نقطہ بے کی جگہ اور بے کا نقطہ نون کی جگہ۔ یعنی بجائے نبی جان، بنی جان۔ تمھاری تصویر کی شان میں ایک رباعی لکھی ہے:-

کیا بات ہے کیا گھات ہے اللہ رے شریر　　سوجھی ہے نئی طرح کی تجھ کو تدبیر
کب دیکھنے والوں پہ کھلا دل کا حال　　کھنچوائی ہے کیا سینہ چھپا کر تصویر

فصیح الملک داغ دہلوی

برادر بجان برابر حضرت نوح ناروی جو دنیائے شاعری میں مشہور و معروف ہیں، وہ ۲۲ جنوری ۱۹۰۲ء کو دوبارہ استاد مرحوم کے پاس حیدرآباد آئے اور یہ تصویر تحفۃً پیش کی جس کے جواب میں تحریر مذکور لکھواکر نوح صاحب کو دی گئی کہ وہ مسماۃ موصوفہ کو پہنچادیں۔ ان خطوط میں یہی ایک خط ایسا ہے جس کی شوخی و ظرافت مرزا داغ کی طبیعت خاص کا پتا دیتی ہے اس طبقے میں دو ایک اور طوائفوں سے بھی کبھی کبھی خط وکتابت ہوتی تھی۔ خصوصاً منی جان "حجاب" کو اکثر خطوط بھیجے گئے۔ مگر اس وقت تک ہمیں اُن کی نقلیں نہ مل سکیں، ورنہ ان کے مطالعے سے مرزا صاحب کی شوخی و ذہانت اور جودت وذکاوت کے جوہر اچھی طرح نمایاں ہوتے۔



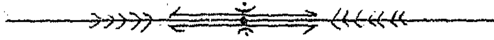
۲۹

نواب میر حسن علی خاں جاگیر دار (حیدرآباد) کے نام

مقامی تلامذہ واحباب میں یہ صاحب استاد مرحوم کی خدمت میں شبانہ روز حاضر رہتے تھے علاوہ اصلاح سخن دوسرے خانگی معاملات بھی ان سے وابستہ تھے۔ ایک مرتبہ نواب صاحب کسی وجہ سے دو روز تک نہیں آئے جس کی بابت یہ دستی رقعہ بھیجا گیا۔

موصوف الصدر شاعر بھی تھے اور حسنؔ تخلص کرتے تھے۔ اس مجموعے میں اکثر خطوط ان کے دیے ہوئے ہیں۔ ۱۳۱۸ھ ہجری میں مرحوم نے مقام حیدرآباد

انتقال کیا۔



نواب بہادر! صاحب عالم بہادر (مرزا خورشید عالم برادر اخیافی مرزا داغ) کہتے ہیں کہ کل صبح کو پتنگوں کے پیچ ہیں، بغیر نواب صاحب کی تشریف آوری کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ مجھ کو خبر نہ تھی کہ پیچ وہاں لڑیں گے اور دلوں میں پیچ مجھ سے پڑے گا۔ مردِ خدا یہ کیا بات ہے۔ آپ نے یک لخت کم کرکے کیوں ترک کردی۔ میں نے کوئی بات بغیر آپ کے مشورے کے نہیں کی۔ مصلحت وقت نہیں چھوڑی جاتی۔ آپ کو حسب معمول روز آنا چاہیے اور ماحضر یہیں تناول فرمانا چاہیے۔ اور اگر تنہا کھانا کھانا گوارا نہیں ہے تو بہتر ہے نہ کھائیے۔ مجھ کو غم بھی نہ کھلائیے۔ آئیے۔ آئیے۔ تشریف لائیے فقط

فصیح الملک داغ دہلوی

۲۵ جنوری ۱۹۰۲ء وقت شب



(۲۸)

بنام قاضی عبدالحمید محمڈن میرج رجسٹرار کلکتہ

جناب قاضی صاحب مصدر عنایت وکرم سلمہ اللہ تعالیٰ

سلام مسنون کے بعد مدعا نگار ہوں، آپ کا ایک عنایت نامہ پہنچا جس میں ایک دعائیہ شعر تھا۔ بی فرشتن صاحبہ

مع بابو خدا بخش کے پہنچیں - میرا مکان بھی آسمان ہے کہ فرشتوں کا نزول ہے - میں زندہ خراباتی وہ زاہد مناجاتی - دیکھیے کیا ہو۔ ابھی تک مجھ کو اس پردے میں معلوم نہیں ہوا کہ وہی ہیں یا اور کوئی۔

فصیح الملک داغ دہلوی

۲ر فروری ۱۹۰۲ء

مرزا داغ اور منی جان حجاب (طوائف کلکتہ) کے تعلقات قیام رامپور سے شروع ہوئے جس کی شہادت مثنوی فریاد داغ سے ملتی ہے - ایک مدت کے بعد حجاب نے مرزا صاحب کو لکھا کہ میں اب منہیات سے تائب ہوگئی ہوں اور چاہتی ہوں کہ کسی کے عقد میں آکر پردہ نشین ہوجاؤں - اس کے بعد مرزا صاحب نے اُن کو حیدرآباد بلایا وہ آئیں مگر اس شرط سے کہ جب تک نکاح نہ ہوجائے سامنے نہ آوں گی - اسی حقیقت کا اظہار کنایتہً اس خط میں کیا گیا کہ بی فرشتن پہنچیں اور میرا مکان آسمان بنا۔ حجاب کے آنے کے بعد کچھ دیر تک اصرار پردہ اور احتراز بے پردگی کا سلسلہ جاری رہا - بالآخر وہ حجاب ٹوٹا اور آمنا سامنا ہوا - پھر باہمی اختلاف مزاجی کے سبب عقد نہ ہو سکا اور حجاب مرزا کے مکان سے اُٹھ کر شہر کے کسی مکان میں اٹھ گئیں اور چند ماہ کے بعد کلکتے واپس ہوئیں - خدا بخش ان کی ہمراہی میں ایک شخص غیر معروف تھا - اور قاضی (مکتوب الیہ) مرزا داغ کے دوستوں اور حجاب کے آشناؤں میں تھے۔

---

(۳۰)

بنام نواب میر حسن علی خاں جاگیردار مسبوق الذکر

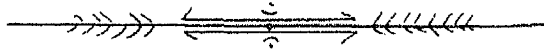
جناب نواب صاحب عالی دودمان مصدر اخلاق فراواں
میر حسن علی خاں صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

یہ رقعہ ایک خاص معاملے میں آپ کو لکھا جاتا ہے جس کی طرف آپ کو توجہ بھی خاص طور سے کرنی چاہیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مولوی سید افتخار عالم صاحب میرے دلی اور مخلص دوست جو ایک نہایت لائق و شریف اور ہر طرح قابل اعتماد شخص ہیں اُن کی ملازمت کا کوئی انتظام میں چاہتا ہوں کہ ہو جائے۔ میری رائے میں مناسب یہ ہے کہ آپ اور جناب مردان علی صاحب عالی جناب شمس الملک بہادر سے مولوی سید افتخار عالم صاحب کو ملا دیجیے، اور بالمشافہہ میری طرف سے عرض کیجیے کہ مجھ کو جناب نواب ممدوح کے اشفاق و الطاف سے امید ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی انتظام فرما دیں گے۔ یقین ہے کہ سر دست بھی کوئی موقع ہوگا اور نہ ہو تو آیندہ ایسے مواقع بہت پیش آئیں گے۔ میں اس کی بھی امید رکھتا ہوں کہ مولوی سید افتخار عالم صاحب اپنی لیاقت و کارگزاری و دیانت و وفاداری سے ایسی خدماتِ شایاں انجام دیں گے کہ جناب نواب صاحب ممدوح اِن سے نہایت رضامند اور خوش ہوں گے۔ ایسے لوگوں کا سلسلۂ ملازمت میں داخل ہونا خود

سرکاری مقاصد کے لیے نہایت مفید ہے۔ سید افتخار عالم صاحب علاوہ اُردو و فارسی کے انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ میرے تجربے کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں سب چیزیں ملتی ہیں مگر آدمی لائق بہت کم ملتا ہے جس کو مل جائے اس کی خوش نصیبی ہے۔ اور لیاقت بغیر امتحان کے معلوم نہیں ہو سکتی اور امتحان بغیر پاس رکھے ہوئے ہو نہیں سکتا۔ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی

فروری ۱۹۰۲ء



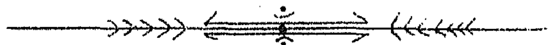
(۱۳۱)

بنام سایق

نواب صاحب! سلام۔ میں خیر کا طالب ہوں۔ ہرج کار منظور نہیں۔ مرمت کی کیا صورت ہوئی۔ اس بارش میں مشکل ہے بی حجاب کل سے وارد ہیں اور آپ کی مشتاق۔ اُن کا مکان گرا۔ جان بچ گئی۔ اس کی مرمت ہو رہی ہے۔ یہاں تو کہیں ٹھکانا نہیں۔ زیادہ نیاز۔

فصیح الملک داغ دہلوی

۷ جمادی الاول ۱۳۲۱ھ یکشنبہ



سید افتخار عالم صاحب مرحوم میرے رشتے کے چچا تھے۔ میرے

قیام حیدرآباد کے زمانے میں سال ڈیڑھ سال وہ بھی وہاں رہے اور استاد مرحوم سے تلمذ حاصل کیا۔ مرزا صاحب نے اکثر ان کی ملازمت کے لیے کوششیں کیں انھیں میں سے ایک یہ سعی بھی تھی مگر افسوس کہ کہیں کوئی صورت فلاح کی نہ نکل سکی۔ چچا صاحب پھر مارہرے چلے آئے اور مشاغل تصنیف وتالیف میں مصروف رہے اور ۱۹۲۳ء میں انتقال کیا۔

دوسرے رقعے میں حجاب کے متعلق جو لکھا گیا ہے اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ جب حجاب مرزا داغ کے مکان سے شہر کے مکان میں اٹھ گئیں تو کچھ دنوں تک اس مکان کا کرایہ مرزا صاحب ہی دیتے رہے۔ اسی مکان کے گرنے کی خبر دی گئی ہے۔ اس رقعے کا عکس کتاب "داغ" مؤلفہ نور اللہ محمد نوری میں دیا گیا ہے، وہیں سے نقل لی گئی۔

(۳۲)

بنام سابق

منظہر عنایت وکرم جناب نواب میر حسن علی خاں صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

آپ کا خط بھی آج آیا۔ یقین ہے آپ کو سراج الدین خاں صاحب نے سب حساب سمجھا دیا ہوگا اور آپ مجھ کو سمجھا دیں گے۔ خدا کرے تنخواہ مل جائے۔ سراج الدین خاں کو جو میں نے خط لکھا ہے آج کا خط بھی اور کل کا خط بھی دیکھ لیجیے گا۔ آج حضور پر نور زیارت سے مشرف ہوئے میں بھی ہمراہ تھا۔

نیاز بھی ہو رہی ہے، یقین ہوتا ہے کہ سہ شنبہ یا چہار شنبہ کو سواری مبارک وہاں پہنچے۔ میں جس وقت روانہ ہوں گا تار دوں گا۔ میرے آنے تک میرے مکان پر زیادہ قیام فرمائیے۔

برخوردار سید آصف الدین کی نسبت کے باب میں جو آپ نے لکھا، مجھ کو سُن کر حیرت ہوئی۔ میرے آنے تک کوئی جواب نہ دیجیے اگر خدا نے آپ کو اور فرزند دیا یا آصف الدین اپنی زوجہ اور سسرال والوں کے کہنے میں آکر آپ سے خلاف ہو گیا، خدا نخواستہ کیا آپ بھیک مانگیں گے۔ اکثر میں نے ایسا دیکھا ہے اور میرا تجربہ ہے۔ یہ جو میرا خیال ہے آصف الدین کی ماں کو بہنوں کو سنا کر مجھے جواب دو۔ یہ ہو سکتا ہے، تمھاری طرف سے لکھا جائے کہ بعد میرے فلاں فلاں جائداد کا بلا شرکت غیرے آصف الدین مالک ہے۔ اس امر میں آزاد صاحب سے منشی محمود علی صاحب سے بھی مشورہ لے لیجیے، یقین ہے وہ میرے کہنے کو پسند کریں گے۔ آپ کا یہ حال ہے کہ لڑکی کو صاحب معاش جان کر پھسل پڑے اپنے نقصان کا خیال نہیں۔ میں لڑکی والوں سے خود گفتگو کروں گا۔ جن لوگوں کی تنخواہ بصیغۂ امانت سراج الدین خاں کے پاس ہے اُن سے لے کر فرد بنا کر اپنے پاس رکھیے گا۔ عبدالحمید کی غرضی کا مطلب میں نہیں سمجھا۔ میں سب پہرے والوں کو مع حوالدار بدلوا دوں گا۔ حوالدار صاحب تو رات کو رہتے نہیں، پہرے والے سوتے ہیں۔ برسوں سے یہ حکم ہے کہ بغیر تلاشی کسی کو اندر سے باہر نہ جانے دیں۔

حوالدار سے پوچھو اس کی تعمیل کیوں نہیں ہوئی۔ میں بخشی صاحب کو یہیں سے لکھتا تھا مگر وہیں آکر لکھوں گا۔ مجھ کو اس حوالدار کو اور سپاہیوں کو رکھنا منظور نہیں۔ باقی خیریت۔ سب کو دعا پہنچے۔

جس دن آؤں سبحان خاں بریانی ضرور پکائیں۔ یقین ہے کوٹھی میں سب فرش ہوگیا ہوگا۔ سراج الدین خاں صاحب نے چمیلی، موتیا، جوہی کے درخت بھی بڑھائے یا فقط انگریزی درخت لگائے۔ عبدالغنی کا آداب قبول ہو۔

از گلبرگہ شریف۔ کمپ شاہی۔ وقت گیارہ بجے شب یکشنبہ

فصیح الملک داغ دہلوی

دہلی کے کرزن کارونیشن کے موقع پر ۱۹۰۳ء میں حضور نظام دکن آصفجاہ سادس (غفران مکان) تشریف لائے تھے، اس سفر میں سارا اسٹاف ساتھ تھا، واپسی میں گلبرگہ شریف میں قیام ہوا جو سلطنت دکن کا مشہور صوبہ ہے اور وہاں حضرت سید محمد گیسو درازؒ کی درگاہ ہے۔ وہاں سے یہ خط لکھوایا گیا ہے۔ خط کے کاتب منشی عبدالغنی ہیں جو مرزا صاحب کے ملازم تھے نواب میر حسن علی خاں جیساکہ اس سے پہلے بھی مختصراً لکھا گیا ہے، مرزا صاحب کے خاص شاگرد اور دوستوں میں تھے۔ شبانہ روز زیادہ حصہ اُن کا مرزا صاحب کے مکان پر گزرتا تھا۔ اکثر شب باش بھی وہاں ہوتے تھے، ورنہ معمولاً رات کے ۱۱-۱۲ بجے اپنے مکان جاتے۔ محلہ افضل گنج (محبوب منڈی) کے قیام کے بعد جب

ترپ بازار کی بڑی اور وسیع کوٹھی میں مرزا صاحب مقیم ہوئے تو آرائشِ مکان اور پہرے چوکی کا زیادہ انتظام رہتا تھا خصوصاً اس موقع پر جب کہ چند ماہ کے لیے ہمرکاب شاہی دہلی و بمبئی کا سفر کیا تھا تو من جانب سرکار مرزا صاحب کی کوٹھی پر پہرے چوکی کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ نواب میر حسن علی خاں مرزا صاحب کے بہت بے تکلف اور خاص الخاص دوستوں میں تھے اور اُن سے جملہ امور میں گھر والوں کی طرح صلاح و مشورہ ہوا کرتا تھا۔

یہ خط نواب صاحب نے مجھے عنایت کیا۔

(۱۳۲)

بنام سابق

میرے شفیق دردمند نواب میر حسن علی خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

آج آپ کا خط آیا مگر وہ خط جس میں تیسری غزل بھیجی ہے اُس کی رسید نہیں آئی۔ حجاب کے گھر آپ گئے۔ کیفیت معلوم ہوئی۔ اُن کی گزر یوں تو سو رُپئے مہینے میں بھی نہ ہوگی۔ جب وہ میرے مکان میں تھیں تو گیارہ مہینے بتاتی تھیں۔ مکان دار کو معرفت عبدالحمید کے بلاکر دریافت کرو کہ تمھارا کیا لینا ہے از روئے کاغذ بتاؤ اور تصفت کرائے پر فیصلہ کرتے ہیں اگر لینا ہو تو لو، اس سے زیادہ یہاں سے نہیں ملیں گے ورنہ یہ رُپیہ بھی تمھارا ڈوب جائے گا۔ ان کے پاس

روپیہ نہیں سرکار ان سے ناراض ہیں ان کی حرکتوں سے۔ ترس کھاکر وہ یہ دیتے ہیں، نصف پر بھی فیصلہ جب ہوگا کہ اسی وقت ان کو مکان سے اٹھادو۔ اس کا جواب لے کے مجھے لکھیے۔

یہاں عنایتِ الٰہی سے خیریت ہے۔ آپ میرے مکان پر روزانہ پھیرا کیجیے ورنہ میرا ہرج ہوگا۔ یہ چوتھی غزل بھیجتا ہوں اگر اس کے کچھ شعر بیٹھے ہیں ہوں تو ان کو ان کے موافق بناکر مجھ کو اطلاع دیجیے کہ یہ غزل پوری ہوگئی۔ یقین ہے وہ تینوں غزلیں آپ نے نقل کردی ہوں گی۔ کل جو خط گیا ہے اس کا جواب بھی لکھیے۔ گھر میں اور بچوں کو دعا کہیے۔

فصیح الملک داغ دہلوی

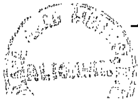
از نرسم پیٹ ضلع ورنگل، کیمپ حضور نظام خلد اللہ ملکہ۔

۳ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ یوم یکشنبہ

(مکرر) جو کچھ مہاراج بہادر کے یہاں سے اختر کو مدد خرچ ملا ہے مجھ کو معلوم ہے۔ بلکہ میں نے مہاراج بہادر کو لکھا بھی تھا۔ اور سعی بھی کی تھی فقط۔ یہ لوگ صاف نہیں ہیں۔

مجرا نہیں شراب بھی ہے اور بھنگ بھی
یہ آج کل کمانے کے اچھے ہیں ڈھنگ بھی

اختر جان کو یہ شعر بھیجیے۔ شاید کل یہ شعر مکان پر کسی کو میں نے لکھ بھیجا ہے، دریافت کرنا۔ جمال سے معلوم ہوا کہ آپ کی کلی توشے خانے میں ہے عبدالعزیز خاں سے لکھوا دیجیے۔ فقط



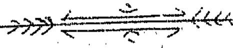
یہ خط غفران مکان آصف جاہ سادس کی شکارگاہ نرسم پیٹ ضلع ورنگل علاقہ ریاست حیدرآباد سے بھیجا گیا - نرسم پیٹ کا جنگل شکار کے لیے مخصوص اور مشہور ہے اور اس کی حفاظت شاہی عملے کے ذمے رہتی ہے - اس خط میں، دستخط اور گھر میں اور بچوں کو دعا کہنے کے علاوہ سب خط منشی عبدالغنی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے -

حجاب، منی جان طوائف کا تخلص ہے یہ وہی حجاب ہیں جن کے لیے فریاد داغ کہی گئی ہے اس سال سے دو سال قبل وہ کلکتے سے حیدرآباد مرزا صاحب کی مطلوب آئیں، اور کچھ دنوں مرزا صاحب کے پاس رہنے کے بعد باہم ناچاقی اور اختلاف ہوگیا۔ مگر وہ اختلاف ایسا نہ تھا کہ مرزا صاحب اپنی وضع داری کے خلاف اخلاق کو نظرانداز کردیتے چنانچہ حجاب کو اپنے مکان سے شہر کے ایک مکان میں منتقل کردیا اور کرایہ وغیرہ کے خود کفیل رہے اسی کے متعلق اس خط میں لکھا گیا ہے -

اختر جان بھی ایک طوائف تھی، جو سورت کی رہنے والی اور کچھ دنوں تک مرزا صاحب کی ملازم رہی تھی - نوعمر اور حسین عورت تھی سال ڈیڑھ سال بعد مرزا صاحب کی ملازمت چھوڑ دی - اور رذیل عیاشوں کی صحبتوں میں سیندھی، بھنگ اور شراب نوشی کے سبب پریشان ہوکر اپنے وطن جانے کی خواہش مند تھی اسی سلسلے میں مہاراج بہادر سرکشن پرشاد سے سفرخرچ کی سعی و سفارش کی گئی -

یہ واقعات داغ مرحوم کے حیدرآباد سے چلے آنے کے بعد کے ہیں، اور اب وہ احباب زندہ نہیں رہے جن کو ایسے واقعات کا کافی علم تھا

اس لیے جس قدر مناسب موقع حالات معلوم ہو سکے قلم بند کیے گئے۔



(۳۴)

بنام سابق

نواب صاحب! آج آپ کا پرچہ مرزا سراج خاں کے خط میں ملا۔ غلطی سے دو نمونے پیچھے بھیجے گئے۔ یہ یاد تھا کہ میں نے نمونے پہلے بھیجے ہیں۔ آپ کے رُپیے کا خرچ اور فرد خرید کی ملفوف ہے۔ یہاں سے روانگی کی اس وقت تک کوئی خبر نہیں۔ مجھ کو درجِ مفاصل کی ازحد تکلیف ہے۔ برخوردار سید آصف الدین کی نسبت سن کر بہت خوش ہوں اللہ مبارک کرے۔ صاحب عالم بہادر کو آپ لکھیے کہ تنخواہ آپ کی رُک گئی چارہ جوئی کرو۔ ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔ جو کیفیت ہے ان کو لکھ بھیجو۔ ورنہ مناسب ہے کہ برخوردار محمد اسحاق کو لکھو کہ وہ اُن کے داماد ہیں۔ آصف الدین کی والدہ کے دو پٹے میرے مکان سے آپ نے لیے کہ نہیں۔ اور چوڑیوں کا جوڑا بھی آپ کے واسطے ہدیہ یہاں سے جا کر انشاء اللہ پیش کروں گا۔ منشی محمود علی صاحب کے فرزند کے انتقال کا مجھ کو نہایت صدمہ ہوا۔ وہ لڑکا میرا بھی پیارا تھا۔ میں نے تعزیت کا تار دے دیا ہے۔ خدا اُس کو بہشت نصیب کرے اور منشی صاحب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ منشی جگن ناتھ پرشاد سے دریافت کر کے لکھیے کہ بیگم صاحبہ کے

قرضے اس رقم باقی ماندہ کیوں نہیں دی گئی - ان کو بھی بتاکید لکھا تھا اور مرزا سراج الدین خاں کو بھی ، حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو غضب ہے - اگر کوئی مصلحت ہے تو بیان کریں - یہ کیفیت مجھ کو منشی جگن ناتھ کی عرضی سے آج معلوم ہوئی - رقم باقی ماندہ تو وصولی میں ڈالیں ، آئندہ اگر مجھ کو ضرورت ہوگی تو وہ حساب جداگانہ ہوگا - مجھ کو فکر قرض کھائے جاتا ہے - پھر اپ پانچ مہینے چڑھ جائیں گے - سب کو دعا پہنچے - فقط

فصیح الملک داغ دہلوی

(مکرر) کبوتر کم اڑائیے - میرے کام میں مصروف رہیے ، ورنہ مجھ کو ازحد شکایت ہوگی - عبدالحق تسلیم عرض کرتے ہیں - یہ ٹوئٹ تحفہ وہاں سے بہت کم داموں میں یہاں ملا ہے -

---

یہ خط فروری ۱۹۰۳ء میں بمبئی سے لکھوا کر بھیجا ، کہ یہ سفر آصف جاہ سادس کے ساتھ بزمانہ دربار دہلی ہوا تھا - بیگم صاحبہ سے والدہ مرزا ناصر الدین خاں اور صاحب عالم بہادر سے مرزا خورشید عالم برادر علاتی مراد ہیں - منشی جگن ناتھ پرشاد مرزا صاحب کے کارندے بھی تھے - اور لین دین بھی کیا کرتے تھے - حسب ضرورت اُن سے قرض لیا جاتا تھا اور تنخواہ ملنے پر ادا کر دیا جاتا تھا اور ایسا اکثر ماہوار تنخواہ کے رُک جانے پر ہوا کرتا تھا - مرزا خورشید عالم کچھ زمانے کے لیے حیدرآباد سے چلے گئے تھے اس سبب ان کی تنخواہ میں گڑبڑ پڑگئی تھی -

---

(۳۵)

بنام سابق

نواب صاحب مصدر عنایت وکرم وتوجہات اتم سلمہ اللہ تعالیٰ۔

آج جمعے کے دن آپ کا خط آیا کیمپ حضور کا بلیبا رہل پہاڑ پر ہی۔ جو قریب والکیسر پہاڑ کے ہی۔ چار قدم یہاں سے سمندر ہی۔ یہاں کی آب و ہوا اچھّی سنی جاتی ہی اسی واسطے یہاں قیام کیا۔ سرکار بڑی کوٹھی میں ہیں۔ اُن سے فاصلے پر ہم لوگ خیموں میں ہیں۔

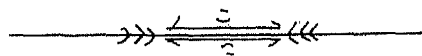
میر مردان علی صاحب سے میرا اسلام کہنا۔ اُن کے بچّوں کی خیریت لکھنا۔ راجہ مرلی منوہر بہادر وہاں پہنچے یا نہیں۔ وہ یہاں خزانچی تھے۔ حضور پرنور نے کئی لاکھ رُپیے کی اشیاء خریدیں۔ میر صاحب اگر یہاں کی خرید کی مقدار دریافت کرکے لکھ سکیں تو ضرور مجھے لکھیں۔ یہاں سے بازار کئی میل ہی۔ جہاں ہم ہیں سوائے سمندر کے اور کچھ نہیں، رات دن شور سنتے ہیں۔ آپ نے جو ٹوئٹ (نوئڈ) کے واسطے لکھا ہی ایک واقف کار آدمی مشکل سے پیدا کیا ہی اُس کے ہاتھ نمونے منگواؤں گا۔ آپ کی حسب فرمائش ریواڑی کی کلی لے لی ہی اور دوپٹّے بھی۔ خدا آپ سے جلد ملائے۔ طبیعت بہت پریشان ہی۔ وجع مفاصل کی تکلیف ہی۔ صاحب زادی کی بسم اللہ خوانی میں بسم اللہ کیجیے۔ ختر اور جلیل کو میری طرف سے دعا کہنا۔ آزاد صاحب کو سلام۔ فقط

گھر پر پھیرا کرتے رہیے۔ برخوردار سید آصف الدین کو اور اُن کی والدہ کو میری طرف سے دعا کہیے گا۔ غلّے کا نرخ لکھنا۔

فصیح الملک داغ دہلوی

۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء روز جمعہ وقت ۸ بجے شب

از بمبئی کیمپ حضور نظام، ملا بار ہل۔



دہلی کے مشہور دربار تاج پوشی میں بزمانہ لارڈ کرزن وائسرائے ہند حضور نظام میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس مع اراکین و مصاحبین تشریف لائے تھے۔ دہلی سے واپسی پر بمبئی مقیم رہے۔ پھر گلبرگے میں ٹھہرے، دوران قیام سے یہ چند خطوط نواب میر حسن علی خاں جاگیردار حیدر آباد کو بھیجے گئے جو مرزا صاحب کے شاگرد، حاضر باش، مخلص دوست تھے۔

میر مردان علی صدر محاسبی حیدر آباد کے ایک عہدہ دار تھے۔ اور راجہ مرلی منوہر جاگیردار تھے۔ سید آصف الدین میر حسن علی خاں کے فرزند کا نام ہے۔

اختر سے مراد نواب اختر یار جنگ بہادر مسمی بہ لطیف احمد مینائی اور جلیل سے نواب فصاحت یار جنگ بہادر مسمی بہ حافظ جلیل حسن ہیں۔ جو اس زمانے بعد انتقال حضرت مینائی امیدوارانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور بعد انتقالِ مرزا داغ ایک معتمد صدر الصدور امور مذہبی اور دوسرے استاد حضور آصف جاہ سابع ہوئے۔



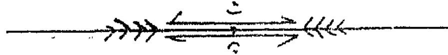
(۳۶)

بنام سابق

جناب نواب صاحب۔ دو تیتر آئے ہیں۔ بڑا تیتر اچھا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا تیتر پنہا ہے۔ اس کے پر بھی کترے ہوئے ہیں برس دن کے بعد وہ کام کا ہوگا اس کا لینا منظور نہیں، مگر اس کی مادہ بڑے تیتر کے ساتھ دینی منظور کی ہے، پچاس رُپیے قیمت مانگتے ہیں، اور یہ ایک بات ہے، اگر آپ کچھ کم کرکے لے لیں تو بہتر ہے۔ ورنہ اپنے پاس سے پچاس رُپیے دے کر تیتر کا جوڑا لے کر میرے پاس بھیج دیجیے یہاں آپ کو دے دوں گا۔ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی

۲۳ شوال ۱۳۲۲ھ روز شنبہ



(۳۷)

تقریظ خیابان فارس مترجمہ مولوی ظفر علی خاں

مولوی ظفر علی خاں، بی۔اے نے جو ایک لائق اور ہونہار نوجوان میرے دوست اور شاگرد ہیں، عالی جناب معلّی القاب حضور ہز اکسیلینسی جناب نواب لارڈ کرزن وائسرائے بہادر کشور ہند کی یادگارِ زمانہ کتاب "پرشیا" کا ترجمہ اُردو میں کیا ہے جس کا نام اُنھوں نے "خیابان فارس" رکھا ہے اور جس کو بندگان عالی

متعالی حضور نظام دام اقبالہ نے اپنے نام نامی سے منسوب کیے جانے کی اجازت دی ہے۔ میں نے اس ترجمے کو مختلف مقامات سے دیکھا۔ ترجمے کی مشکلات اور پابندیوں کے لحاظ سے، نہایت مشکل ہے کہ مصنف کا اصلی مقصد بھی فوت نہ ہو، اور ساتھ ہی اس کے زبان کا لطف بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ زبانِ غیر کا ترجمہ اپنی زبان میں بجنسہ کرنا آسان بات نہیں ہے، یہ تو یقین ہے کہ انھوں نے مصنف کے اصلی مقصود کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ہوگا۔ اس لیے کہ آنریبل نواب عماد الملک بہادر اور شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی نے اُن کے اعلیٰ درجے کے انگریزی داں ہونے کی تعریف کی ہے مگر جس حد تک اس ترجمے کو اُردو زبان سے تعلق ہے میں وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ انھوں نے اس میں خاطرخواہ کامیابی حاصل کی ہے۔

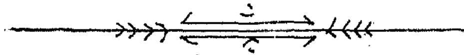
مولوی ظفر علی خاں کو میں مبارکباد دیتا ہوں کہ یہ کتاب باعتبار لطف زبان بجائے ترجمے کے اصل کتاب معلوم ہوتی ہے۔ سلسلۂ بیان اس قدر بار بط اور ایسا سلیس ہے کہ ایک انگریزی خواں نوجوان اور وہ بھی متوطن پنجاب ہو، اس سے ایسی توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ ایسی اعلیٰ درجے کی بامحاورہ اُردو میں اتنی ضخیم اور مبسوط کتاب کا ترجمہ بے تکلف کرنے پر قادر ہوسکے گا۔

کتاب کی ذاتی خوبیوں اور ترجمے کی سلاست سے

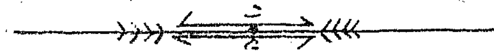
مجھے امید ہی کہ نہ صرف اہلِ ملک بلکہ ہماری برٹش گورنمنٹ اور گورنمنٹ نظام اس کو ہاتھوں ہاتھ لے کر قدر افزائی کریں گے اور مترجم کی سعی وکوشش کی دل سے داد دیں گے۔

فصیح الملک داغ دہلوی

مورخہ ۳ر فروری ۱۹۰۲ء



مولوی ظفرعلی خاں صاحب جب کہ حیدرآباد میں مترجم ہوم سکریٹری کے عہدے پر فائز تھے، کئی مرتبہ راقم کی موجودگی میں کبھی مولانا شبلی نعمانی کے ساتھ، کبھی تنہا مرزا داغ کے پاس آئے اور شاگرد ہوئے۔ اسی زمانے میں انھوں نے یہ خواہش کی کہ مرزا صاحب اپنے دستِ قلم سے خیابان فارس کا ریویو لکھیں۔ ان کی خواہش کے مطابق مرزا صاحب نے اپنے ہاتھ سے تقریباً دو صفحوں پر یہ تبصرہ لکھا۔ اس عہدِ کہن کے اہلِ قلم جب کہ تقریظ اور ریویو کا امتیاز نہیں سمجھتے تھے اور جب کہ وائسرائے کو نواب کے لقب سے یاد کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ اُن کا ایسے صاف سادہ غیر مقفیٰ اور فصیح وصحیح عبارت کے لکھنے پر قادر ہونا اُن کے کمال کا ادنیٰ ثبوت ہی۔



(۳۸)

بنام حکیم قمرالدین تاج پوری

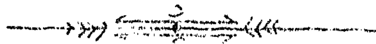
عمر کے دن گزرتے جاتے ہیں
جیتے جی ہم تو مرتے جاتے ہیں

حکیم صاحب مسیحائے زماں سلمہ اللہ الرحمٰن! سلام مسنون کے بعد مدعا نگار ہوں۔ آپ کا کارڈ پہنچا۔ آپ کی عبارت مقفّیٰ کس قدر بلیغ ہے۔ آپ نے میرے انتقال کی جو خبر سنی، میں بھی اس کو سچ سمجھتا ہوں۔

روز مرتا ہوں روز جیتا ہوں
زندگی کا کوئی حساب نہیں

آپ نے تو ایک مرتبہ میرے مرنے کی خبر سنی میں ہر سال سنتا ہوں اور اس کو اپنی سالگرہ سمجھتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ کہ جن رئیس نے میرے زندہ ہونے کی تصدیق کی تھی وہ چل بسے خدا ان کو جنت نصیب کرے اور مجھے بھی اور آپ کو بھی۔ میں آپ کا ممنون ہوا کہ آپ اس دل سوزی سے داغ کو یاد فرمایا۔ عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است۔

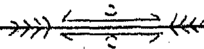
فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۲۷ رفروری ۱۹۰۲ء



یہ خط جس کارڈ کے جواب میں لکھوایا گیا وہ اصلی خط یہ ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی نبیہ الکریم سبحانک

لا علم لنا الاّ ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم ۔ بعد سلام سنت الاسلام خلاصۂ کلام کے از طرف کمترین محمد قمرالدین کے جناب داغ دہلوی شاعر بے مثال شگفتہ حال کے، بعد نیاز کے واضح راسے عالی ہو کہ اس قصبۂ تاج پور میں حضور کے انتقال ہونے کا تذکرہ سنا نہایت رنج ہوا، بعد میں ایسا سنا کہ زندہ ہیں اور یہ حال جناب دولھا صاحب بھوپال سے سنا کہ حضور قائم ہیں، اس لیے حضور کے نزدیک خط روانہ کیا کہ احوال پورے طور پر معلوم ہو جائے اور کبھی خداوند کریم کو منظور ہو گا تو ملاقات بھی نصیب ہو جائے گی ۔ آپ اس خط کا جواب مہربانی فرما کر ضرور ضرور روانہ کریں عین نوازش ہو گی ۔ اور میرا پتا یہ ہے ۔ قصبہ تاج پور، علاقہ اجین ۔ محلہ چھاپاگراں میں پہنچ کر حکیم قمرالدین کو ملے۔

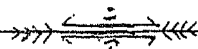


(۳۹)

بنام محمد رضا خاں

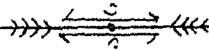
جناب شیعہ صاحب! آپ کا کلام میرے پاس پہنچا آپ کی یادآوری کا ممنون ہوا ۔ مگر میں اہل سنت والجماعت سے حنفی المذہب ہوں ۔ آپ کی ہدایت کے بموجب آپ کی کتابوں کو نہ دیکھ سکا ۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ ۔ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی



۱۵ ار فروری ۱۹۰۲ء تھی کہ مرزا صاحب کے نام ایک کپڑے کی

تھیلی میں دو کتابیں پہنچیں، ایک کا نام جلوۂ خورشید تھا، دوسری کا نام زعفران زار رضا تھا۔ دونوں کتابیں نظم میں تھیں، بھیجنے والے کا نام محمد رضا خاں تھا، اس تحفے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی "یہ کتاب خاص مذہب اثناعشری کی ہے اہل سنت ملاحظہ نہ فرمائیں" مرزا صاحب ان کتابوں کو دیکھ کر بہت گھبرائے مجھے مکان سے بلوایا اور فرمایا کہ بھائی فوراً ان کتابوں کو واپس کرو اور اسی وقت مندرجہ بالا خط لکھوایا۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ کی یادداشت میں ان صاحب کا نشان اور پتا نہ لکھا گیا۔



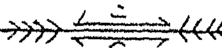
(۴۰)

بنام منشی محمد الدین فوق اڈیٹر اخبار پنجۂ فولاد لاہور

دشمنوں نے میری بدخبر اُڑادی ہے اور حال یہ ہے کہ اب فضلِ الٰہی سے میں بخوبی صحیح و تندرست ہوں۔ بیماری جاتی رہی، میں باقی رہ گیا۔ دشمن داغ کا دل جلانا چاہتے ہیں، ان کو داغِ دل نصیب ہو۔

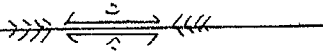
فصیح الملک داغ دہلوی۔ محبوب گنج حیدرآباد دکن

مورخہ ۳۱ رجنوری ۱۸۹۵ء



مرزا داغ اکثر علیل رہا کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں ان کے انتقال کی جھوٹی خبریں شائع ہو جاتی تھیں ۱۸۹۵ء میں بھی ایسی ہی

افواہ اُڑادی گئی اور وہ اخباروں میں شائع ہوگئی اور قطعات تاریخ انتقال بھی چھپنے لگے۔ جس کی تردید خود مرزا صاحب نے اخباروں میں کی اور بعض شاگردوں کو بھی لکھا، اسی سلسلے میں یہ خط بھی ہے جو یکم نومبر ۱۹۰۱ء کے پنجۂ فولاد لاہور میں ان کے تذکرے کے ساتھ ہوا۔



(۱۴)

بنام نواب عزیز یار جنگ بہادر اول تعلقدار صرف خاص (حیدرآباد دکن)

جناب مظہر عنایت وکرم نواب عزیز یار جنگ بہادر سلمہ اللہ تعالی

دعائے ترقی عمر و دولت کے بعد مدعا نگار رہوں۔ آپ مجھ سے ملتے نہیں ورنہ زبانی کہتا۔ ایک مکان جو رانی والا کرکے مشہور ہے شبیر خاں کے مکان سے آگے کُنٹے کے پاس سرِراہ ہے، سنا گیا ہے کہ بسبب لاوارث ہونے کے سرکار کی ضبطی میں آگیا ہے اور اس پر پولیس کا پہرہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہاں مجھ کو کس قدر تکلیف ہے۔ میں نے حضور دام اقبالہ میں تیسری آبان کو عرضی کردی ہے اور اس کا مضمون یہ ہے کہ بہ کرایہ ہی کفایت کے ساتھ مل جائے، اگر وہ نہ ہو تو اور کوئی مکان تجویز ہوجائے۔ آج نو دن ہوئے کہ اس کی کیفیت کچھ نہیں معلوم ہوئی۔ اگرچہ مکان عطا کرنے کے واسطے سرکار نے تحریر میرے پاس بھجوادی ہے جس کو چھ سات برس کا زمانہ ہوا۔ ضابطہ تو یہ چاہتا ہے کہ

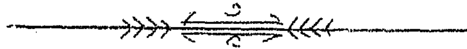
اس کی کیفیت اگر دریافت کرنی ہوگی تو عالی جناب مہاراجہ بہادر مدارالمہام سرکار عالی سے دریافت فرمائیں - آپ پیشگاہِ مدارالمہام بہادر میں یہ تحریر پیش کر کے مجھ کو لکھیں کہ اُس کے متعلق کوئی حکم آیا یا نہیں، یا آئندہ آئے تو خیال فرمائیں - اول تو یہ بات دریافت طلب تھی، دوسرا امر یہ ہے کہ :- سید علی احسن صاحب احسن نے جو کتاب لاجواب لکھنی شروع کی ہے اور جس کے اجزا چھپوانے کے لائق ہو گئے ہیں اس میں میں نے سو روپے دیے ہیں اور عالی جناب مہاراجہ بہادر نے اپنی دریا دلی سے اپنے دست وقلم سے تین سو روپے لکھے ہیں - بغیر اُن کی عطا کے کام نہیں چل سکتا - لہذا یہ تحریر احسن صاحب لے کر آپ کے پاس پہنچتے ہیں - جو آپ کو پوچھنا ہو زبانی کیفیت بیان کریں گے - ان کے انجامِ کار میں گزارش وسعی کر کے آپ مجھ کو جواب سے اطلاع دیں - زیادہ شوق -

فصیح الملک داغ دہلوی - ۱۳- آبان ۱۳۱۰ فصلی
چہار شنبہ

مرزا داغ محبوب گنج کے جس مکان میں رہتے تھے وہ ایک گوشے میں تھا اور اُن کی ضرورتوں کے لحاظ سے ناکافی بھی - اکثر اس کی کوتاہی وتنگی کے نالاں رہا کرتے تھے - حضور نظام نے دوسرے مکان کے عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا جس کے متعلق وہ اپنی ایک غزل کے مقطع میں اشارہ کرتے ہیں -

چونکہ نواب عزیز یار جنگ بہادر صرف خاص کے معتمد بھی تھے اور مرزا صاحب کے مخلص شاگرد بھی اس لیے ان کے وسیلے سے مکان کے لیے سعی و کوشش کی گئی۔

میری کتاب لاجواب کا واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس زمانے میں فصیح اللغات نامی ایک کتاب لغت تالیف کرنی شروع کی تھی جس میں صرف مرزا صاحب کے کلام کے محاورات و الفاظ یکجا کیے گئے تھے۔ اس تالیف سے مرحوم کو بے حد دلچسپی ہوگئی تھی اور اس کے لیے مقامی اور بیرونی احباب و تلامذہ سے چندے کے طور پر روپیہ جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا اور کچھ جمع بھی ہوگیا تھا۔ مہاراجہ بہادر نے تین سو رُپئے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اسی کی یاد دہانی کے لیے اس رقعے میں لکھا گیا۔ افسوس ہے کہ اس لغت کے صرف ۲ جزو چھپ کر رہ گئے اور پھر میں حیدرآباد سے چلا آیا اور مرحوم آخر وقت تک اس کتاب کے شائع نہ ہونے اور میری عدم موجودگی سے کبیدہ خاطر اور ناراض رہے اور میں اپنی کوتاہ بختی سے محروم شرف رہا، اور اب تک اس کتاب کی تکمیل نہ کر سکا۔



(۲۴)

بنام محمد عبدالحمید ساکن نارہ (الٰہ آباد)

عبدالحمید صاحب کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ محمد نوح صاحب میرے ہاں آئے اگرچہ مجھ کو اطلاع نہ تھی مگر میں اُن کے

آنے سے بہت خوش ہوا، وہ بفضلہ تعالیٰ خوش وخرم بخیریت، بصحت ہیں۔ ان کے عزیز احباب بالخصوص ان کی والدہ صاحبہ خاطرجمع رکھیں، کسی طرح کی تشویش نہ کریں۔ یہاں کی آب وہوا وہاں سے اچھی ہے۔ ان کو آئے ہوئے ابھی سات دن ہوئے اور تمھاری طرف سے طلب نامے آنے لگے۔ مرد بچے کو قطعی میں انگور کی طرح سے نہیں رکھتے ہیں۔ یہاں کی راحت یا تکلیف کا حال یقیناً اُن کی تحریر سے بھی آپ کو معلوم ہوگا۔ زیادہ خیریت۔

فصیح الملک داغ دہلوی

برادر بجاں برابر محمد نوح صاحب نوح ناروی، اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء کو اپنے گھر سے بغیر اطلاع کیے حیدرآباد چلے آئے اور استاد کے پاس مقیم ہوئے۔ یہ زمانہ ان کی نوعمری کا تھا۔ استاد کے اشتیاق میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے گھر اس طرح سے چلے جانے سے انتشار تھا، عبدالحمید صاحب ان کے کارندے بھی تھے اور عزیز بھی۔ ان کا خط دریافت حال اور طلبی کے لیے آیا جس کے جواب میں یہ خط لکھوایا گیا خط کسی حاضر باش شاگرد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے مگر سرخی سے دستخط مرزا صاحب کے ہیں۔ لفافہ پر ۱۱۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء کی مہر ہے۔

---

(۴۳)

بنام ابوالحسن فرزند نوح ناروی

برخوردار نور چشم راحت جان سلمہ اللہ تعالی

دعائے ترقی عمر و دولت کے بعد مدعا نگار ہوں ۔ تمھارے والد ماجد کے یہاں آنے سے مجھے ایسی خوشی ہوئی جیسے اپنے بچھڑے ہوئے فرزند کے ملنے سے ہوتی ہے مگر ایک بات سے سخت حیرت ہے کہ وہ اپنی اشتہا وہاں فروخت کر آئے ہیں یا گروی کر آئے ہیں ۔ یا خیرات ۔ میں نے جو امتحان لیا تو مینا سے بھی کم وہ کھاتے ہیں ۔ نہیں معلوم میرے گھر کا کھانا انھیں پسند نہیں آتا یا بھوک ہی گھٹ گئی ہے یا نارے والے سب اتنا ہی کھاتے ہیں ۔ اگر کہتا ہوں کہ کچھ فرمائش کرو تو وہ نہیں سنتے تم صاف صاف لکھو کہ وہاں ان کو کون سا کھانا پسند تھا کون سی چیز مرغوب تھی کہ یہاں بھی وہی پکوایا جائے ۔ نمکین کون سا کھانا پسند ہے اور شیریں کون سا ۔ میرا مقصد مصمم ہے کہ جب میں اجمیر شریف کی زیارت کو جاؤں گا تو نارے میں بھی تمھیں دیکھنے آؤں گا مگر بے خبر آؤں گا اور فوراً تمھیں دیکھ کر اسی وقت اور اسی دن واپس آؤں گا ۔ بیٹا ! روپیہ یوں ہی جمع ہوتا ہے کہ تمام گھر پاؤ بھر کھانا کھالیا کرے میں نارے میں زیادہ اس واسطے نہیں ٹھہرنے کا کہ میرا کھانا دیکھ کر وہاں کے لوگ مجھے کھا جائیں گے ۔ میرے ساتھ آٹھ

سات آدمی ہوں گے۔ اپنی خیریت سے اطلاع دو۔ اپنی بہن کو بہت بہت دعا کہنا۔ تمھارے والد بفضلہ خیریت سے ہیں۔ اس کا جواب کسی سے لکھوا کر بھجواؤ۔ فصیح الملک داغ دہلوی۔

۱۳ر ستمبر ۱۹۰۴ء

مرزا داغ کے بزرگانہ اشفاق و الطاف یوں تو اپنے تمام شاگردوں کے ساتھ عام تھے، مگر وہ تلامذہ جو ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور اپنے خلوص و خصوصیت سے حاضر و غائب ان کے جان نثار رہتے اُن پر خصوصی مہربانی رہتی تھی۔ برادرم نوح بھی انھیں خصوصی تلامذہ میں ہیں۔ جب ۱۹۰۴ء میں دوبارہ وہ خدمت استاد میں حاضر ہوئے ہیں اس وقت یہ خط ان کے فرزند کے نام لکھوایا گیا جو اس وقت بہت کم سن تھا اور افسوس ہے کہ اب وہ دنیا میں نہیں۔ مرحوم کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی شفقت مربیانہ سے اپنے شاگردوں کے ایسے خانگی حالات پوچھا کرتے تھے جس سے واقفیت کے بعد مختلف قسم کی ہمدردیاں قائم ہو جاتی ہیں اور باہم ربط ضبط میں استواری ہوتی ہے۔ ان کی اکثر ایسی ہمدردیوں اور خصوصیتوں کا پتا چلتا ہے جو اس مجموعے میں چند مخصوص تلامذہ کے نام ہیں۔ وہ کھانے کے بھی بہت شوقین تھے اور ذرا ذرا بہانہ ڈھونڈ کر کھانا پکواتے تھے۔ کسی چیز کے کھانے کا جی تو خود ہوتا تھا مگر دوسروں پر رکھ کر فرمائشیں کی جاتی تھیں کہ آج فلاں صاحب کے لیے فلاں چیز پکے گی۔ یہ باتیں بالتفصیل ان کے سوانح عمری میں لکھنے کے لائق ہیں یہاں مختصراً اشارہ کر دیا گیا ہے۔

فصل سوم

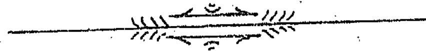
شاگردوں کے نام (بسلسلۂ شاعری)

(۱)
بنام سیّد وحید الدین بیخود دہلوی

میر صاحب۔ اب تک بفضلہٖ میں خیریت سے ہوں، اور آپ کے ملنے کا مشتاق۔ یہاں آئے تو میرے پاس نہ رہے۔ گئے تو دغا دے گئے۔

تخلّص سے میں گھبراتا ہوں۔ اگرچہ یہاں روزگار عنقا ہے مگر اپنا گھر ہے۔ اُمید پر آدمی کی زندگی ہے۔ شاید کبھی تقدیر یاوری کر جائے۔ اپنے والد ماجد کی خدمت میں میری طرف سے تسلیم کہہ دیجیے، اور غزلوں کے تو اشعار مجھ کو پسند آئے۔ پہلی غزل بے مثل ہے کہ جس کی نقل میں نے لے لی۔ آپ کو اس کی قدر نہیں۔

یکم ذی القعدہ ۱۳۱۰ ہجری
نواب مرزا خاں داغ عفی عنہ



(۲)

ایضاً

سیّد بیخود صاحب۔ تمھارا کلام ایک دن بھی یہاں نہیں رہتا، اُسی وقت بہر حال سفر و حضر میں دیکھ کر بھیجتا رہتا ہوں، مجھ کو کیا خبر کہ تم تین مہینے سے دلّی میں ہو۔ پہلے کیوں نہ اطلاع کی، جہاں پہلے مقیم تھے وہیں کلام بھی گیا ہوگا۔ دریافت کرو۔ میں ماہ رجب سے سفر میں ہوں۔ شیر کا شکار ہورہا ہے۔ اس وقت جھاڑی میں نظام کا کیمپ ہے۔ یہاں کبھی کوئی بادشاہ کیا فقیر بھی نہیں آیا۔ موسم گرم۔ ویرانہ محض ہے۔ مگر

ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

دیوان کیا اس جنگل سے تھوڑی وحشت کہو تو بھیج دوں۔ جواب اس کا حیدرآباد بھیجنا۔ یہاں انگریزی ڈاک نہیں آتی۔

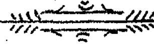
نواب فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۱۸ شوال ۱۳۱۱ ہجری

(۳)

ایضاً

واہ میر صاحب! کیا خوب غزلیں کہی ہیں نہایت جی خوش ہوا۔ خود یہاں حاضر ہو کر ہم کو مبارک باد دو۔ دُور کے ڈھول ہم نہیں سنتے۔ ہمارا دل دُکھا کر تم چلے گئے ہو اسی صبر میں تم گرفتار

ہو۔ صاحب عالم مرزا خورشید عالم اور بھائی امیر میرزا بھی یہیں موجود ہیں۔ سب تم کو یاد کرتے ہیں فقط۔ سب کا سلام



(۴)

ایضاً

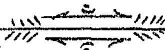
میر صاحب۔ مہینوں کے بعد یاد کیا اور پھر اُلٹا اشتیاق جھوٹا جتلایا۔ مَیں چاوڑی کا رہنے والا نہیں۔ چار مہینے سے بلائے ضعفِ معدہ میں سخت مبتلا ہوں۔ آپ کی سب غزلیں بہت خوب ہیں۔ کس کس پر صاد کروں۔

چکاول کے باب میں جو لکھا ہے۔ پہلے یہ لکھو کہ گھوڑے کا سِن کیا ہے۔ چکاول کتنے زمانے سے ہے۔ کیا کیا علاج ہوئے ہیں۔ ورم تحلیل کیا گیا یا مادّہ بہایا۔ مفصّل لکھو تو کچھ مَیں بھی لکھوں۔ والسلام

داغ دہلوی

۲۵۔ ستمبر ۱۸۹۳ء

(مکرّر) گلدستہ زبانِ اُردو جو راسخ نے نکالا ہے اس کو رونق کلام سے دو کہ زبانِ دہلی ختم ہوتی جاتی ہے۔ مبارک ہو کہ میری ترقی ساڑھے پان سو رُپئے ماہوار ہو کر ایک ہزار رُپئے ماہوار ہوئی۔



(۵)

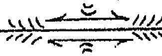
ایضاً

بیخود بہانہ ساز ہو تم جانتے ہیں ہم

زبانِ دہلی میں غزل کیوں نہیں دیتے۔ بھائی امیر مرزا صاحب جے پور واپس گئے۔ صاحب سے مل کر بتا دوں گا۔ اس وقت وہ خواب راحت میں ہیں۔ دعا کرو کہ لوازم خطاب جلد ادا ہوں۔ بہت زیر بار ہوں۔ غزلیں بے مثل لکھی ہیں۔

داغ دہلوی۔ ۲۲۔ جنوری ۱۸۹۴ء

بوقت ۱۰ بجے شب



(۶)

ایضاً

دلّی جا کر خوب مزے اُڑائے۔ ہمارے خط کا جواب کیوں نہ آیا لکھ کر بھی ذلیل ہوئے۔ آخر جن کے پاس گئے تھے وہ کیا کہتے ہیں۔ اب تو گھوڑا بھی لے گئے اور خرچ بڑھ گیا۔ یہاں انقلاب عظیم ہوا کہ مولوی مشتاق حسین صاحب حسب الحکم موقوف ہو کر یہاں سے چلے گئے۔ مہدی حسن صاحب معطل ہوئے اور لوگ روا روی میں ہیں۔ ویسرائے کے آنے کی خبر گرما گرم ہے۔ تیاریاں ہو رہی ہیں ایسے انقلاب میں جب امن ہو تو کوئی تدبیر نظر آئے۔ اعلیحضرت دام اقبالہ

کو میں نے لکھ دیا ہے کہ اس فن کا شوق ہے تو دو چار اہلِ زبان خدمت میں رکھیے۔

مجھ کو اب تک نہیں ملایا۔ مگر ایسے شفقت تعریف اور دل جوئی کے آتے کہ اُن کا شکرادا نہیں ہو سکتا۔ میرے گھر کے لوگ مع انا لبسم اللہ وغیرہ دس آدمی چلے گئے۔ شبیر حسن بھی ان کے ساتھ گئے۔ دیوان چھپ چکا ہے۔ کاتب دو مہینے بیمار رہا پھر کچھ سنبھلا پھر کچھ لکھا اب پھر بیمار ہے۔ تین سو تیس صفحے چھپ چکے ہیں تم اپنے اراد سے جلد مطلع کرو۔

داغ دہلوی ۔ ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء

---

(۷)

ایضاً

ہم گرچہ ہیں دکن میں و لے بے خبر نہیں

میر صاحب! میں بھی بہت علیل رہا۔ خدا نے بچا لیا۔ نیگم پلی میں تین مہینے سے ہم کاب بندگانِ عالی ہوں۔

فصیح الملک داغ دہلوی

حاضرالوقت حافظ محمد یوسف خاں تشنہ بلند شہری آداب عرض کرتا ہے۔ سبحان اللہ کیا کہتا ہے۔ کلام ہے آپ کا یا سحر سامری ہے۔ میں تین مہینے سے حاضر خدمت استادی ہوں۔ دعائے خیر سے یاد فرمائیے۔

---

(۴)

ایضاً

سیّد صاحب! میری غزل کی تو دھجّیاں اُڑا دیں اور ابھی حسرت باقی ہی۔ کیا کیا نئے مضمون نکالے ہیں کہ رشک آتا ہی۔



سیّد وحیدالدین صاحب بیخود دہلوی کا ایک مضمون یکم مارچ ۱۹۴۰ء کے رسالۂ ساقی دہلی میں "داغ کی شخصیت" کے عنوان سے چھپا ہی۔ عام دلچسپی کے علاوہ اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہی کہ اُستاد مرحوم کے زبانی فقرے اور چٹکلے بھی اس میں جا بجا موجود ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہی کہ اس کا اقتباس اس مجموعے میں لکھا جائے۔ **وھوھذا۔**

حضرت داغ کی تصویریں تو آپ نے دیکھی ہوں گی۔ اس نقّاش کے نقش و نگار سے تو آپ کی آنکھیں آشنا ہوں گی۔ لیکن کچھ واقعات کے نقش میرے (بیخود) دل پر رہ گئے ہیں، لگے ہاتھوں وہ بھی دیکھ لیجیے۔

شام کا وقت ہی دربار (دہلی ۱۹۰۳ء) کا موقع ہی۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام کا کیمپ دلّی کلب میں رونق افروز ہی۔ ایک خیمہ داغ صاحب کو ملا ہوا ہی، میں حاضر خدمت ہوں۔ رمضان المبارک کا مہینا۔ افطار کا انتظام۔ اُستاد خود افطاری تیار کرا رہے ہیں، گو روزے سے نہیں ہیں لیکن ثواب میں حصہ بٹانا چاہتے ہیں۔ میں نے دست بستہ عرض کی کہ "گھر جا کر روزہ کھول لوں گا" آپ کیوں تکلیف فرما رہے ہیں، ارشاد ہوا "ارے سیّد تجھ کو تو تیرے نانا بخشوا لیں گے مجھ کو بھی تو کچھ ثواب کما لینے دے"۔ باتیں کرتے کرتے کہنے لگے۔

"بیخود۔ یار ہماری طبیعت تو کُند ہوئی جارہی ہے"۔ مَیں نے کہا اُستاد کیا فرما رہے ہیں آپ! آپ کی طبیعت اور کُند۔ یہ تو خنجرِ بُرّاں، تیغِ آبدار ہے۔ اس کو زنگ اور کثافت سے کیا کام۔ بولے:۔ تُو تو جانتا ہے حسینوں کو دیکھتا ہوں اور خوبصورت شعر کہتا ہوں، یہ ٹھہرا کیمپ کا معاملہ، یہاں پریوں کے پَر جلتے ہیں۔ اور ہاں میاں بیخود ایک دفعہ تم نے ہرن کے کباب کھلائے تھے وہ اس مزے کی چاٹ تھی کہ آج تک ہونٹ چاٹتا ہوں، حیدرآباد میں ہرن دیکھنے کو نہیں ملتا، اُس کے گوشت کو جی ترستا ہے۔ ایک دفعہ تو بیٹا پھر ویسے ہی کباب کھلا دے، خدا کرے تیری طبعِ شوخ و شنگ میدانِ سخن میں ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرے"۔ مَیں نے کہا بہت بہتر۔ ایک دو روز میں حاضر کردوں گا۔ بڑی دیر تک صحبت آراستہ رہی، کس مزے کی باتیں تھیں اور کیا لطفِ صحبت تھا۔ دل من داند و من دانم و داند دل من۔ رات گئے مَیں واپس آیا۔ صبح جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ دروازے پر آدمی نے آواز دی، معلوم ہوا اُستاد نے پرچہ بھیجا ہے۔ کھول کر پڑھا تو صرف یہ مصرع درج تھا:۔

"نہیں ملتی یہاں ہرنی ترستا ہوں کبابوں کو"

مَیں ہرنی کا مطلب بھی سمجھ گیا اور کبابوں کا مُدّعا بھی۔ اُستاد کو آہو چشموں سے کچھ اس بلا کا عشق تھا کہ اُن کی مفارقت سے وحشت ہوتی تھی اور اُن کی موانست سے طبعِ چابک دست چوکڑیاں بھرنے لگتی تھی۔ مَیں نے دوسرے روز ہرن کی دو رانیں منگوا دلّی کے ایک رکابدار کے حوالے کیں اور کہہ دیا کہ سیخ کے کباب اور جس جس طرح کے کباب تم کو پکانے اور تلنے آتے ہیں دوپہر سے پہلے پہلے تیار کردو۔ مزید برآں مختلف قسم کے اور کھانوں کا بھی اہتمام کیا۔ مثلاً نورمحلی پلاؤ، کچّی بریانی، زنگترا پلاؤ، دو تین طرح کے پرندے،

متنجن اور نان پاؤ کے ٹکڑے، دو بہنگیوں میں رکھوا کر جا پہنچا، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ یہ ضیغم میدان سخن وری گو عمر میں بڈھا تھا لیکن طبع جواں رکھتا تھا۔ فربہ اندام دراز قامت، چوڑی ہڈی، بھرا ہوا چہرہ، بڑی بڑی شوخ آنکھیں۔

آنکھ میں شوخی کس بلا کی تھی

کچھ کہا نہیں جاتا۔ نگاہ قیامت کی فتنہ زا جو سینے کے پار ہو، دل میں گھر کرے۔ غرض کہ داغ صاحب عجب سج دھج سے بیٹھے تھے، بہنگیاں دیکھ کر بولے:۔ "حضرت یہ اتنا کیا لے آئے آپ! کیا آپ کسی کی دکان اُٹھا لائے"۔ جاڑے کا موسم تھا تمام چیزیں ٹھنڈی ہو گئی تھیں، میں نے عرض کیا، کھانا نوش فرمانے سے آدھ گھنٹا پہلے فرما دیجیے گا تاکہ کھانا گرم ہو جائے۔ فرمایا "وقت ہو گیا ہے خضاب دھو کر کھانا کھاؤں گا۔" آدمی کو بلا کر کہا، دیکھو محبوب یار جنگ صاحب سے میرا سلام کہو اور کہنا آپ نے کھانا نہ کھایا ہو تو میرے ساتھ کھائیے۔" اس عرصے میں میں نے رکابدار کو حکم دیا کہ کھانا گرم کرے اور دہی اور مکھن لگا کر سیخیں سینکنی شروع کیں۔ داغ صاحب نہایت سیر خور اور خوش خوراک تھے کھانا کھاتے تھے اور مزے لے لے کر کھاتے تھے۔

اعلیٰ حضرت حضور نظام نے اُستاد کی تنخواہ میں اضافہ فرمایا، یہ واقعہ بھی قصّہ طلب ہے۔ حضرت داغ نے برسر دربار غزل گزرانی مقطع تھا:۔

تم نمک خوار ہوئے شاہِ دکن کے اے داغ

اب خدا چاہے تو منصب بھی ہو جاگیر بھی ہو

وہاں کیا کمی تھی اور کیا دیر۔ حکم ہوا اور ترقی ہو گئی، مجھے اطلاع ہوئی، مبارکباد بذریعہ خط پیش کی، جواب آیا "دُور کی مبارکباد ہم قبول نہیں کرتے"۔ میں نے جانے میں عذرِ لنگ پیش کیا، دوسرا خط آیا اُس میں یہ شعر درج تھا۔

دیکھیے تجھ سے ملاتا ہے خدا کون سے دن
کون سی رات ہو مقبول دُعا کون سے دن

شعر کے نیچے لکھا تھا " یہ شعر تم کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے " میرے عذر کے جواب میں یہ مصرع تحریر تھا۔

"بیخود بہانہ ساز ہو تم جانتے ہیں ہم"

ہم کو تو بہانہ درکار تھا، مجنوں را ہوے بس است اِدھر پروانہ اُدھر میں روانہ ہوا۔

حیدر آباد میں ایک روز شام کے وقت میں اُستاد صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ شعر کہہ رہے تھے میں لکھتا جاتا تھا، ایک صاحب تشریف لائے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے تھوڑی دیر بعد اُستاد کی زود گوئی کا ذکر آیا۔ اُن صاحب نے دریافت کیا، اُستاد! آپ ایسے جلدی کیوں کر شعر کہہ لیتے ہیں، اُستاد نے کہا اور " جناب کیوں کر کہتے ہیں" اُنھوں نے فرمایا حقّہ سے کر پلنگ پر لیٹتا ہوں کروٹیں بدلتا ہوں کبھی اُٹھتا ہوں کبھی بیٹھتا ہوں، طبیعت پر زور ڈالتا ہوں جب بڑی مشکل سے ایک شعر بنتا ہے۔ داغ صاحب نے مسکرا کر فرمایا، " معاف کیجیے گا آپ شعر کہتے نہیں شعر جنتے ہیں "

ایک دن حضرت نماز پڑھ رہے تھے ایک شاگرد آئے اُن کو نماز میں مشغول دیکھ کر واپس چلے گئے۔ اُسی وقت داغ صاحب نماز سے فارغ ہوئے، نوکر نے کہا فلاں صاحب آئے تھے فرمایا " دوڑ کر بلا لا" جب وہ آئے تو داغ صاحب نے فرمایا " حضرت آپ آکر واپس چلے گئے" کہا " آپ نماز پڑھ رہے تھے" فرمایا " حضرت میں نماز پڑھ رہا تھا لاحول تو نہیں پڑھ رہا تھا جو آپ بھاگے "

کلام کی عام مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جو غزل رات کو مشاعرے میں

پڑھنے، صبح کو کوچہ و بازار میں لوگوں کی زبان پر ہوتی تھی۔ اکثر آدمی داغ صاحب کی عام مقبولیت پر حسد کرتے تھے، حاسدوں میں ایک بڑے شاعر بھی تھے، انھوں نے ایک دن داغ صاحب کو سرِ راہ ٹوک کر کہا، حضرت آج میرا آپ کا فیصلہ ہو جائے۔ فرمائیے میں اچھا شعر کہتا ہوں یا آپ؟

داغ صاحب نے فرمایا "حضرت شعر تو آپ ہی اچھا کہتے ہیں لیکن اس کا کیا علاج کروں کہ لوگ میرے ہی اشعار پسند کرتے ہیں"

نواب محبوب یار جنگ، آصفجاہ سادس (غفراں مکاں) کے خاص مقرب و مصاحب تھے اور مرزا داغ سے خلوص و خصوصیت سے ملتے تھے۔

یہ لطیفہ راقم الحروف کے سامنے بھی گزرا ہے۔ اور اس کے مستفسر مرزا مظفر حسین بیگ بارق مرحوم تھے، جو قلعہ گول کنڈا میں مدرّس تھے اور آٹھویں دن حیدرآباد آتے اور اُستاد مرحوم کے مکان پر رہتے تھے، میں نے یہ بات چیت اُنھیں کی سنی ہے۔۱۲



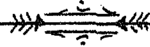
(۹)

ایضاً

سیّد صاحب! جنگلی مل کو میں نے خط لکھا تھا، معلوم ہوا وہ اُن کو نہیں پہنچا۔ جن کتابوں کی ضرورت تھی وہ یہاں مل گئیں۔ اب ضرورت نہیں، کتب مطبوعہ کی فہرست اُن سے لے کر بھجوا دو۔ مآثر الامرا جو کلکتے میں چھپی ہے وہ تمام و کمال وہاں کہیں ہو تو اُس کی قیمت دریافت کر کے لکھنا۔ میری طبیعت ابھی تک

بالکل صحیح نہیں ہے۔ وجع مفاصل کی تکلیف ہے۔ اس کی دوا ہو رہی ہے۔
تمہارے ہاتھ کے ہرن کے کباب بہت یاد آرہے ہیں۔
یہاں ہرن میسّر نہیں۔ کباب اُڑ کر آ نہیں سکتے۔ کیا مزے کی چاٹ تھی کہ اب تک ہونٹ چاٹ رہا ہوں۔ سراج الدین خاں، مرزا خورشید عالم، سلام کہتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کی خدمت میں سلام پہنچے۔

۲۶ دسمبر ۱۹۰۳ء از حیدر آباد دکن

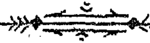


(۱۰)

بنام لُقمان الدولہ، دِل (حیدر آبادی)

مہربانِ من۔ آپ کی غزل بہت اچھی ہے۔ آپ کے اُستاد، شاگردِ فیض صاحب نے بہت خوب بنائی ہے۔ غزل کی، آپ کی طبیعتِ رسا کی اور اُن کی داد دیتا ہوں۔ اس میں کہیں گنجائشِ اصلاح نہیں ہے۔

ہیچمدان فصیح الملک داغ دہلوی

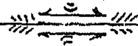


(۱۱)

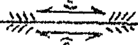
ایضاً

الحمد للہ کہ خیریت سے ہوں، روزہ رکھ رہا ہوں۔ کمشنر صاحب

صفائی چادر گھاٹ سے جھگڑا ہی۔ شانے کے درد کے واسطے دوا بھجوا دو۔ پہلی دوا مفید ہوئی۔



یہ دونوں رقعے محبّی سیّد محی الدین صاحب قادری زورؔ پروفیسر جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی معرفت دست یاب ہوئے جن پر کوئی تاریخ تحریر نہیں۔ لقمان الدولہ مصاحب حضور نظام اور طبیب خاص تھے، ان کا پورا نام اور خطاب یہ ہی:۔ اشرف الحکما نواب محمد حیدر خاں فلاطوں جنگ لقمان الدولہ بہادر، تخلّص دِل۔ یہ تحریریں لقمان الدولہ کے خطوں کے حاشیوں پر مرزا داغ کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں۔



(۱۲)

بنام صاحب زادہ مشرّف یار خاں شرف (جاورہ)

جناب صاحب زادہ محمد مشرف یار خاں صاحب!

الٰہی شکر، کہ برسوں کے بعد میں یاد آیا۔ برس دن تک ایسا بیمار ہوا کہ خبرِ مرگ اخبار میں چھپی۔ مرثیے تاریخیں لوگوں نے کہیں۔ تم نے بات بھی نہ پوچھی۔

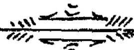
مجھ کو دیوان دیکھنے کی فرصت کہاں، جو میرے مسلک کے خلاف ہو اُس کو خود نکال ڈالو۔ البتّہ ایک کھٹکا ہی کہ کوئی محاورہ خلاف نہ بندھا ہو۔

حضور نظام کا قصد حضور خواجہ غریب نواز میں حاضر ہونے

ہونے کا تھا۔ بالفعل تو ملتوی ہوا مگر ضرور وہاں حاضر ہوں گے۔ مَیں بھی بشرطِ زندگی ہم رکاب ہوں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ وہاں ملاقات ممکن ہے۔

سب کچھ خدا نے دیا ہے کسی پردیسی کی ایسی عزت اس دربار میں نہیں۔ روٹی بھی پچاس کو کھلا کر کھا لیتا ہوں مگر ہائے ہندستان تیرا ارمان۔ چھے مہینے سے سفر میں ہوں۔ یہاں بھی خدمت احباب سے حتیٰ الوسع دریغ نہیں کرتا۔ تصویر انشاءاللہ تعالیٰ بلدے میں جا کر بھیجوں گا بشرطیکہ تم یاد دلاؤ۔

۲۱۔ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ ہجری پنجشنبہ۔ از کوہِ مولا
فصیح الملک داغ دہلوی



صاحبزادہ مشرف یار خاں، شرف ریاست جاورہ کے عہدہ دار اور منصب دار تھے اور اُستاد مرحوم کے بہترین شاگردوں میں ان کا شمار تھا۔ کہنہ مشق ہونے کی وجہ سے اُستاد کو اُن کی گویائی پر اطمینان تھا، اسی وجہ سے یہ لکھا گیا کہ اپنے دیوان کو بطور خود بنظر خود دیکھ لو۔

حیدرآباد میں شمالی ہند اور دوسرے صوبوں کو ہندستان کہا جاتا ہے، حال آں کہ خود حیدرآباد بھی ہندستان ہی میں ہے۔ اسی بول چال کے مطابق مرزا داغ نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ بلدہ بھی حیدرآباد میں خاص شہر حیدرآباد کو کہا جاتا ہے۔ کوہ مولا حیدرآباد سے ۱۵ میل فاصلے پر ایک پہاڑ ہے جہاں ایک زیارت پنجہ حضرت مولا علیؓ کے نام سے منسوب ہے اور وہاں ہرسال خاص اہتمام سے عرس

ہوا کرتا ہے اور حضور آصفجاہ سادس اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(۱۳)

ایضاً

داغ نواز۔ تمھارے علاقے میں رمضان نہیں آیا۔ بھاگ کر یہاں چلا آیا۔ روزہ رکھتا ہوں۔ انتخاب کی طاقت کہاں۔ بطور خود دیوان دیکھ لو۔ نہ تم کو فرصت کہ یہاں آکر رہو اور اس کو بنوا کرلے جاؤ نہ مجھ کو مہلت۔ اگر ایک بار چھ مہینے میں غزل گئی تو آپ کو وہ سند ہوگئی۔ آپ کے نزدیک میرا ہی قصور تھا۔

فصیح الملک داغ دہلوی

(۱۴)

بنام محمود خاں محمود رامپوری

سعادت نشاں محمود خاں صاحب زید اللہ کمالہ

آج ۲۰ مئی کو خیریت نامہ آیا۔ غزل کو دیکھ کر جی پھڑک گیا، آفریں ہے۔ کیا خوب غزل کہی ہے۔ ایسی غزل اور کوئی کہے تو جانوں۔ اسی وقت ملفوف بھیجتا ہوں۔

میں یہاں تنہا رہ گیا ہوں۔ متعلقین دلّی گئے ہیں۔ گرمی جب یہاں شدت سے ہے تو وہاں کیا حال ہوگا۔ لو سے بچنا۔ میرے

احباب کو اور اپنے چچا صاحب کو سلام شوق کہنا۔ داغ نے چرانا ہو کر جلنا چھوڑ دیا ہی، البتہ جلاتا ہی۔ اس کا کچھ خیال نہ کرنا، کوئی کچھ کہا کرے۔ وہاں کے مشاعروں کا چیدہ کلام بھی بھیجنا۔ جلنے والوں، خوش ہونے والوں کا حال بھی ضرور لکھنا۔ اپنے روزگار کا حال بھی لکھو۔ کوئی صورت نکلی کہ نہیں۔ والدعا۔

۲۰ مئی ۱۸۹۴ء نواب مرزا داغ دہلوی

(۱۵)

ایضاً

خاں صاحب سعادت نشان بلاغت و فصاحت کی جان سلمہ اللہ تعالیٰ

کل تمھارا خط آیا، تمھارے والد کے انتقال کا حادثہ سُن کر صدمہ ہوش رُبا ہوا۔ یہ کیا مرض تھا۔ اللہ اُن کو جنت نصیب کرے اور تم کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ آمدنی کی کیا شکل ہی بسر اوقات کیوں کر ہوتی ہی۔ پریشانی تو ظاہر ہی۔ یقین ہی کہ تم عیال دار بھی ہو گئے ہوگے۔ دونوں غزلیں خوب ہیں خصوصاً پہلی غزل پر تو مجھ کو بھی رشک آیا۔ تمھاری تازہ غزلیں دیوان میں چھپ گئیں۔ اصلاح دے کر اُسی وقت جواب بھیجا تھا۔ برسوں میں خبر لیتے ہو۔ تلاش کر کے مہتاب داغ بطور ہدیہ انشاءاللہ ضرور بھیجوں گا۔ کیا کروں میرے پاس تقسیم کے واسطے نہیں

رہے۔ والدعا
فصیح الملک داغ دہلوی ۹ رجب ۱۳۱۱ ہجری

(۱۶)

ایضاً

تمھاری غزلیں وغیرہ حیدرآباد آئی ہوں گی۔ مَیں تو پانچ مہینے سے سفر میں ہوں۔ ہم رکاب بندگانِ عالی متعالی۔ نوشیر بنفس نفیس شکار فرما چکے ہیں اور ابھی انتہا نہیں۔ جھاڑی جنگل، گرمی اور شکار اس کا حال مجھ سے پوچھو۔ حیدرآباد جب جانا ہوگا تو تمھارا کلام تلاش کروں گا۔ نوکری میں کوئی اور کام نہیں ہوسکتا۔ میرا خطاب یہ ہے۔

بلبلِ ہند سنان۔ جہاں اُستاد۔ دبیرالدولہ۔ ناظم یارجنگ، نواب فصیح الملک بہادر۔

صاحب عالم حیدرآباد میں ہیں، مَیں سوکوس حیدرآباد سے دُور ہوں۔ تمھارے والد کے انتقال کا نہایت صدمہ ہُوا۔ تمھاری بسراوقات کیوں کر ہوتی ہے فقط۔ جواب حیدرآباد بھیجنا۔

راقم فصیح الملک داغ دہلوی
۲۸۔ مئی ۱۸۹۴ء از کمپ نظام

(۱۷)

ایضاً

محمود خاں صاحب۔ بعنایت الٰہی بارش یہاں خوب ہوئی۔ آج کھُلا ہی تم نے آغا صاحب کی غزل مقطع نکال کر بھیج دی تھی مگر ہم سمجھ گئے تھے کہ شاغل کا شین ہم نے بنا دیا تھا، تم نے بھی دیکھا ہوگا اور انھوں نے بھی۔ زیادہ خیریت۔ جس وقت تمھاری غزل آئی اُسی وقت بھیج دی۔

آغا صاحب سے مراد میرزا شاغل ہیں جو مرزا داغ کے علاتی بھائی اور رامپور میں مقیم تھے۔ اس خط میں تاریخ اور دستخط نہیں۔ مگر جس خط کا یہ جواب ہے اُس میں بقلم کاتب (محمود) ۲۶ نومبر ۱۸۹۶ء درج ہے۔

---

(۱۸)

ایضاً

محمود خاں صاحب! تمھارا خط جواب میں آیا۔ اگر تم کو فرصت ہو اور جی بھی چاہے تو میں عنہ۲ رُپئے کرایہ ریل کے بھجوا دوں تم مجھ سے آکر ملو۔ والدعا۔

فصیح الملک داغ دہلوی۔ مرقومہ ۶ شعبان ۱۳۱۴ھ

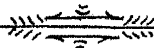
(۱۹)

ایضاً

الحمد للہ کہ میں بخیر ہوں، تمھاری خیریت اور کلام سے دل خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ شاد آباد رکھے۔ دوسری غزل جن صاحب کی ہے، اور وہ تخلّص مانگتے ہیں، تخلّص بھی ایک نام ہے اور مجھ کو نام رکھنا نہیں آتا۔ مگر دونوں غزلیں میری غزل سے اچھی ہیں۔ اصل میں یہ زمین منشی امیر احمد صاحب کی نکالی ہوئی ہے۔ ۹ شعر ان کے دوسرے دیوان میں ہیں۔ بہت خوب غزل ہے۔ اُستاد ہیں۔ اس پر تقاضائے احباب پر میں نے بھی غزل کہی۔ سب کو دعا سلام پہنچے۔ فقط

فصیح الملک دہلوی

۵۔ جمادی الثانی ~~۱۳۱۴~~ ۱۸۹۷ء ہجری روز چہارشنبہ



محمود صاحب نے اپنے کسی دوست کی غزل بغرض اصلاح بھیجی تھی اور اُن کے تخلّص رکھنے کی فرمائش کی تھی، یہ بالواسطہ شاگردی اور اس کا اخفا یہ ادا مرزا داغ کے خلاف تھی۔ اس کے جواب میں یہ فقرے لکھے گئے۔ نام رکھنا نکتہ چینی کے معنی میں بھی ہے اس معنی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ الہامی فقرہ لکھا گیا کہ مجھکو نام رکھنا نہیں آتا۔

اپنی اور منشی امیر احمد صاحب کی جس غزل کا حوالہ دیا ہے ان دونوں غزلوں کے دو چار منتخب اشعار بطور افادہ یہاں لکھے جاتے ہیں۔

امیر مینائی

یہ گالی جو اے دلربا مل رہی ہی　　دُعا دی تھی اُس کی سزا مل رہی ہی
بھری زہر سے ہیں عیادت کی باتیں　　مریضوں کو اچھّی دوا مل رہی ہی
گلے پر جو رُک رُک کے چلتا ہی خنجر　　یہ گویا قضا سے ادا مل رہی ہی
مرے قتل کا دن ہی کیا عید کا دن　　گلے تیغ کے کیوں قضا مل رہی ہی
بہار آئی ہی چہچہاتے ہیں بلبل　　قیامت صدا سے صدا مل رہی ہی
مرا دل وہ تلووں سے ملتے نہیں ہیں　　یہ مٹی میں میری وفا مل رہی ہی
امیر التجا کیوں کروں چارہ گر سے
اذیّت میں لذّت سوا مل رہی ہی

داغ دہلوی

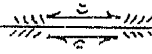
وفا پر مجھے بد دُعا مل رہی ہی　　خطا کی تھی اُس کی سزا مل رہی ہی
بدلتا نہیں حال بیمارِ غم کا　　بدل کر دوا پر دوا مل رہی ہی
رُخِ صاف آئینے سے مل رہا ہی　　پھر اُس پر ادا سے ادا مل رہی ہی
عدو کا ہی نام اُس لبِ جاں فزا سے　　مسیحا سے گویا قضا مل رہی ہی
الگ شورِ محشر سے سُنیے گا نالے　　ابھی تو صدا میں صدا مل رہی ہی
وصالِ دل و جاں پہ حیرت ہی مجھ کو　　وفادار سے بے وفا مل رہی ہی
غنی کر رہی ہی محبّت کی دولت　　مرے حوصلے سے سوا مل رہی ہی
ملو داغ سے تم بھی ہی عید کا دن
گلے آج خلقِ خدا مل رہی ہی

(۲۰)

ایضاً

محمود خاں صاحب! آپ کے دو خط آئے۔ میں اکثر علیل رہتا ہوں۔ اس واسطے جواب میں تاخیر ہوتی ہے۔ دوسرے خط میں آپ نے اپنا اشتیاق لکھا ہے۔ میں بھی مشتاق ہوں، ضرور تشریف لائیے۔ جس وقت آپ یہاں پہنچیں گے، جو آپ کے مصارف ریل کے ہوں گے وہ دے دیے جائیں گے، مگر دو شرطیں ہیں اوّل تو یہ کہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھ کر کام کرنا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جلد واپس جانا نہ ہوگا۔ اس کا جواب جلد بھیجو۔ والدعا۔

۱۴۔ ذی حجہ ۱۳۱۶ ہجری سہ شنبہ فصیح الملک داغ دہلوی



(۲۱)

ایضاً

خاں صاحب سعادت نشان فصاحت و بلاغت کی جان سلمہ اللہ تعالیٰ دُعا کے بعد واضح ہو۔ تمھارا خط بہت دنوں سے آیا ہوا ہے، خطوں میں مل گیا تھا، اس وقت نظر سے گزرا۔ واقعی تمھارا لکھنا درست ہے۔ لوگ دراندازیاں کرتے ہوں گے، میں نے کوئی قصور نہیں کیا تھا کہ جو اس قدر موردِ عتاب ہوتا۔ والدعا

فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۱۳۔ رمضان شریف ۱۳۱۸ ہجری

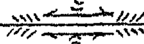
(۲۲)

ایضاً

محمود خاں صاحب! میں کئی دن سے ذات الجنب میں مبتلا ہوں۔ سخت تکلیف ہے۔ ایک مرض کو خفت ہوتی ہے تو دوسرا پیدا ہوتا ہے۔ اللہ شافی ہے۔

بھائیوں کو دعا پہنچے۔ چوں کہ بائیں جانب درد ہے زیادہ تر تکلیف ہے۔ حکیم، ریحی بتاتے ہیں۔ یہ بھی جان چھوڑے تو جانوں۔

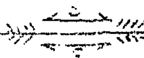
فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۲۲ ستمبر ۱۸۹۷ء چہارشنبہ



میر قطب الدین اشک جلیسری جو استاد مرحوم کے پرانے شاگرد اور اکثر حاضر خدمت رہے ہیں اور مثنوی فریاد داغ کے واقعات سے بھی ان کی وابستگی رہی ہے جیساکہ مرزا داغ اسی مثنوی میں کہتے ہیں:۔

میرے ہمراہ میر قطب الدیں اشک ریزاں بحالت غمگیں

وہ اکثر پرانے واقعات بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ رامپور میں چند اشخاص خصوصاً نواب حیدر علی خاں صاحب (برادر خرد نواب خلد آشیاں) ایسے تھے جن سے حجاب کے معاملات میں مرزا صاحب سے رقیبانہ آویزش رہا کرتی تھی۔ اس قسم کے فقرات کہ "لوگ دراندازیاں کرتے ہوں گے"انھیں آویزشوں کے متعلق سمجھنے چاہییں۔

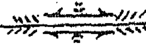


(۲۳)

بنام سیّد معشوق حسین اطہر ہاپوڑی

سیّد صاحب! دو مہینے سے تپ بیمار جاں بلب تھا۔ اب ذرا سنبھلا ہوں مگر علیل ہوں، دورانِ سر سے عاجز ہوں۔ صاحبانِ مطبع سے اجازت لیجیے کہ دیوان رجسٹری ہو گئے ہیں۔

فصیح الملک داغ دہلوی
۲۷۔ جون ۱۸۹۷ء

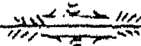


(۲۴)

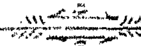
ایضاً

مہربانِ من۔ اوّل آپ تعداد لکھیے کہ میری کتنی غزلوں کی نقل آپ چاہتے ہیں۔ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی
مورخہ ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ ہجری



اطہر صاحب ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے اور ریاست پور اور ٹونک میں وکالت کرتے ہیں۔ انھوں نے گلزار اور آفتابِ داغ غزلوں کا انتخاب کرنا چاہا تھا اسی کے متعلق یہ تحریریں بھیجی گئیں۔



(۲۵)

بنام محمد تحسین بیدل بجنوری

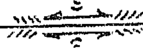
محبّ یکرنگ سلمہ اللہ تعالیٰ

میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا، اس خانہ ویرانی کے صدمے نے مجھے مریضِ جاں بلب کردیا۔

ہوش میں آئیں یہ حواس کہاں

صدہا غزلیں اصلاح طلب ہیں۔ دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ کیجیے۔ انشاءاللہ جلد اس طرف توجہ ہوگی اور آپ کی غزل بعد اصلاح بھیج دی جائے گی۔

فصیح الملک داغ



بنام سیّد محمد اصغر حسین عرف لاڈلے صاحب واقف (شمس آباد)

برخوردار۔ تمھاری طبیعت زبردست مضموں آور ہے مگر کھُلے ملے شعر پُر اثر کم کہتے ہو۔ میری زندگی از سرِ نو ہوئی۔ مجھ کو بند تخمہ پڑا، درد شدید ہوا اور قولنج ریاحی۔ پھر تپ کی شدّت ہوئی، ریاح بند ہوئے اجابت کیسی۔ دو ولایتی ڈاکٹروں نے علاج کیا، کچھ نہ ہوا، آخر جواب دے دیا۔ یونانی علاج راس آیا، کہ دست آئے اور سُدّے برآمد ہوئے درد مٹ گیا، تھوڑی تپ باقی ہے، پاؤں چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں۔ ضعف کو قوت ہے،

نو دن سے اس بلا میں مبتلا ہوں، باقی خیریت۔
اپنے والد ماجد کی خدمت میں سلام و نیاز کہہ دیجیے گا۔فقط
فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۱۱ رجب ۱۳۲۱ھ ہجری

یہ خط دوسرے کے قلم سے لکھوایا گیا اور ۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو ڈاک میں ڈال دیا گیا۔

---

(۲۷)

ایضاً

مرحبا، کیا خوب غزل کہی ہے۔ اب مجھ کو سفر سے اور محرّم شریف سے فرصت ہوئی ہے۔ اگرچہ حضور میں ابھی محرّم ہو رہا ہے۔ عید سفر میں ہوئی ۲۶۔کو داخل بلدہ ہوئے۔ ہم اتیبیر شکار کیے اور پھر شوق باقی رہا۔ نواب صاحب یعنی آپ کے والد ماجد کا خط آیا ہے۔ وقت فرصت جواب لکھوں گا۔ چوتھا مصرع تاریخ کا نہیں پڑھا گیا۔ منڈل پاس ہونا مبارک ہو۔ نشتر تخلص اچھا ہے۔ نیا ہے۔

مورخہ ۳۰۔ محرم ۱۳۲۲ھ ہجری
فصیح الملک داغ دہلوی

مکتوب الیہ شمس آباد ضلع فرخ آباد کے خاندانی رئیس اور

نواب سیّد جعفر علی خاں عرف پیارے صاحب مرحوم کے خلف الصدق ہیں۔ نواب صاحب موصوف کے نام ایک خط فصل (۱) میں ۱۳۱ نمبر پر موجود ہے۔ غالباً اسی خط کا اشارہ اس خط میں کیا گیا ہے۔ لاڈلے صاحب نے اپنے تخلّص کے متعلق رائے لی تھی جس کی بابت لکھا گیا کہ نشتر اچھا تخلص ہے۔ لیکن لاڈلے صاحب نے اپنا تخلص واقف پسند کیا۔ پہلی تحریر مرزا صاحب کے ہاتھ کی ہے جو اصل خط کی پشت پر لکھی گئی۔ لفافہ مذکور ۲۳ جولائی ۱۹۰۴ء کو موصول ہوا جس کے چند ماہ بعد مرزا صاحب کا انتقال ہوگیا۔

(۲۸)

بنام اکبر علی خاں افسوں شاہجہاں پوری

تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ می دانی
تپیدنِ دل مرغانِ رشتہ بر پا را

نظام کی نوکری مشکل ہے۔ بندگانِ عالی شیر کے شکار میں ہیں۔ گرمی قیامت کی پڑتی ہے۔ فرصت مرنے کی بھی نہیں۔ صدہا شکایت نامے آتے ہیں۔ سرکاری کام سے پہلے کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ آپ بگڑے تو یاد رکھیے۔

ہرچہ از دوست می رسد نیکوست

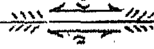
فصیح الملک داغ دہلوی

(۲۹)

بنام منشی محمد الدین فوق، لاہوری

ایک غزل نمونے کے لیے بھیج دو تاکہ تمھاری طبیعت کا اندازہ لگایا جائے۔ میں مرکر بچا ہوں اس واسطے جواب میں دیر ہوئی۔ ابھی تک صحت کامل نہیں۔

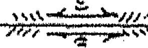
فصیح الملک داغ دہلوی
۲۰۔ستمبر ۱۸۹۸ء حیدرآباد دکن



(۳۰)

ایضاً

فوق صاحب! میں تمھاری طبیعت سے بہت خوش ہوا۔ اصلاح کو تم ایک غزل بھیجا کرو۔ تمھارا نام شاگردوں میں درج کر لیا گیا ہے۔ نیاز دلا دینا۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ، حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ، حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ، خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ، حضرت شاہ نصیر رحمۃ اللہ حضرت اُستادِ ذوق کے نام کی۔

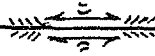


فوق صاحب لاہور کے مشہور جرنلسٹ ہیں، متعدد کتابیں ان کی تالیفات کی چھپ چکی ہیں اور برابر تاریخی کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

شاعر بھی ہیں اور بہت اچھے شاعر ہیں۔ جس زمانے میں وہ شاگرد ہوئے ہیں اس وقت وہ ہفتہ وار اخبار پنجۂ فولاد نامی نکالتے تھے۔ جس کی تاریخ ہجری مرزا داغ نے اس مصرع سے نکالی تھی:-

پنجۂ فولاد نامی پائدار اخبار ہے

مرزا صاحب جب شاگرد کیا کرتے تھے تو اس سے متذکرہ بالا حضرات کی نیاز و فاتحہ ضرور دلوایا کرتے تھے۔ زیادہ اور متواتر غزلوں کی آمد و اصلاح سے اکثر گھبرا جاتے تھے اس لیے فرمائش ہوا کرتی تھی کہ ایک ایک غزل ٹھہر ٹھہر کر بھیجی جائے۔

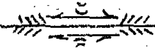


(۳۱)

بنام دیبی پرشاد مائل ساکن مین پوری

میں مدت سے حیدر آباد سے سو کوس پر ہوں۔ بن میں حضور پُر نور شیر کا شکار کھیل رہے ہیں۔ چار شیر شکار ہوئے۔

فصیح الملک داغ دہلوی



(۳۲)

ایضاً

پانچ مہینے سے میں ہم رکاب حضور پُر نور دام اقبالہ کے

شیر کے شکار میں حاضر ہوں۔ دس شیر شکار ہو چکے ہیں۔ آیندہ غزل بعد محرّم بھیجنا۔

فصیح الملک داغ دہلوی

(۳۴)

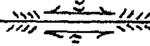
ایضاً

مَیں حضور بندگانِ عالی کے ہم رکاب سفر کلکتہ میں ہوں۔ ۱۴ مہینے گزرے کہ میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ میرے حواس بجا نہیں۔ نہایت صدمہ اُٹھایا۔

داغ دہلوی۔ ۹ رمضان ۱۳۱۷ ہجری

مائل صاحب مرزا صاحب کے پُرانے شاگردوں میں تھے۔ نہایت نیک سیدھے سادے آدمی تھے اور اپنے ملنے والوں سے بہت خلوص رکھتے تھے ان کے دو دیوان بھی چھپ چکے ہیں۔ راقم حروف جب حیدرآباد میں حاضر تھا اکثر ان کی غزلیں اصلاح کے لیے آیا کرتی تھیں بہت پُرگو تھے، ایک دن مَیں نے اُستاد سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں بے ساختہ فرمایا کہ "یہ ہمارے پُرانے مقسوم ہیں"۔ اس کے بعد جب سے بین پوری کے مشاعروں میں میرا آنا جانا ہوا تو مائل صاحب سے بھی خصوصیات بڑھیں، واقعی وہ پُرانی یادگار تھے، چند سال ہوئے کہ وفات پا گئے۔ یہ تحریریں

ان کے خطوں کی پُشت پر اُستاد مرحوم کی لکھی ہوئی ہیں جن میں القاب وآداب وغیرہ کا التزام نہیں۔



(۳۴)

بنام مولوی سیّد ابوالحسن ناطق گلاؤٹھی

مولوی صاحب۔آپ کی غزل درست کرکے واپس کی جاتی ہے۔ جس شعر پر چار صاد کیے گئے ہیں یہ مجھے بہت پسند آیا اور یاد ہوگیا شعر یہ تھا:۔

بگڑ جانے میں بن آئی ہے شوق دید کی کیا کیا
دیا کرتے ہیں جب وہ گالیاں ہم مُنہ کو تکتے ہیں

یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ آپ ہر شعر میں کسی محاورے کا استعمال کرتے ہیں اور بیشتر کامیابی کے ساتھ مگر اس کالحاظ رکھیے کہ شعر کے لیے محاورہ آجائے۔ محاورے کے لیے شعر میں سقم نہ آنے پائے۔اور یہ بھی خیال رہے کہ اس میں تصرّف جائز نہیں۔ اگر آسانی کے ساتھ محاورہ بجنسہٖ بحر میں آجائے تو نظم کر دیجیے ورنہ نہیں۔ اوراس کے لیے حضرت اُستاد مرحوم کے کلام پر غور کیجیے کہ اُنھوں نے کس بے ساختگی سے محاورات کو باندھا ہے۔

لفظ جوبن کے متعلق میں پھر یہی کہتا ہوں کہ اس کا استعمال بمعنی "پستان" اہلِ لکھنؤ کا اختراع ہے۔ دہلی والے اس معنی میں

نہیں بولتے۔آپ نے جو مولانا راسخ کا شعر پیش کر دیا ہے اُسے میں تسلیم نہیں کرتا۔ خدا جانے وہ کس دُھن میں لکھ گئے۔مولوی صاحب آپ کے دوست ہیں انھیں سے پوچھیے کہ آپ نے دہلی میں اس لفظ کا ایسا استعمال کہاں سُنا ہے۔آخر آپ خود بھی تو نواح دہلی کے باشندے ہیں اور میرے نزدیک بڑی حد تک آپ کے قصبات کی زبان مستند ہے۔غور کیجیے کہ کیا وہاں کے شرفا یا عوام میں اس لفظ کا یوں استعمال ہے۔دہلی کے استعمال میں بھی یہ لفظ ضرور ہے مگر اس طرح :-

عجیب جوبن برستا ہے کسی سے جب وہ لڑتے ہیں
ادائیں بھی بلائیں لیتی ہیں جس دم بگڑتے ہیں

بہر حال یہ اچھی بات ہے کہ آپ نے محض میرے لکھ دینے پر اکتفا نہ کرکے تحقیق کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ وہ جرأت ہے جو ہر نومشق کو نہیں ہوتی۔مشقِ سخن کو بڑھائیے۔مجھے امید ہے کہ آپ اس فن میں کامیاب ہوں گے۔

حیدر آباد کا ارادہ ہے تو پورا کیجیے، مجھے آپ کو دیکھ کر مسرت ہوگی۔میرے چوتھے دیوان (یادگارِ داغ) کے زیرِ ترتیب ہونے کی خبر پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی ہے کہ آج کل مختلف امراض کا شکار ہوں اور یہ کام تندرستی کا ہے۔ماہتاب کی ایک جلد آپ کو بھیجنے کے لیے میں نے کہہ دیا ہے۔

فصیح الملک داغ - حیدرآباد - ۴ جولائی ۱۹۰۴ء

(۳۵)

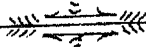
بنام مولوی ذوالفقار علی خاں گوہر رامپوری

اقبال نشان سلمہ الرحمٰن - ترقی عمر و دولت کی دعا، خدا قبول کرے - سیّد علی احسن صاحب (احسن مارہروی) کی معرفت تمھارا کلام سالہائے دراز کے بعد نظر سے گزرا - کیا کہوں کیا مزا آیا - اس طبیعت کا شاعر میں اپنے تلامذہ میں سے کم پاتا ہوں - اللّٰھم زد فزد - اپنی خیریت، اپنی اولاد کی عافیت، روزگار کی کیفیت مفصّل مجھ کو لکھ کر مطمئن کرو - تعجّب ہے کہ تم نے اس مدت دراز میں یاد نہ کیا - یہ تو سُنا کہ عہدۂ تحصیلداری پر مامور ہو، نہایت خوشی ہوئی -

دعا گو تمھارا بوڑھا اُستاد

فصیح الملک داغ دہلوی - حیدرآباد دکن محبوب گنج

۱۷ - نومبر ۱۹۰۱ء

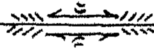


مکتوب الیہ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی (علی برادران) کے بڑے بھائی ہیں - مرزا داغ کو ان کے خاندان سے بہت گہرے تعلّقات تھے - انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں گوہر صاحب ضلع ایٹہ میں بسلسلۂ ملازمت آئے، اس وقت سے راقم کو شرفِ تعارف حاصل ہوا - کچھ دنوں کے بعد جب مجھے حیدرآباد دکن جانے کا اتفاق ہوا تو موصوف اسی ضلع میں موجود تھے اور میرے حیدرآباد جانے کا حال

سُن کر ایک مشاعرے میں یہ شعر پڑھا تھا ؎

حیدر آباد اپنا دشمن ہے یہ چھڑاتا ہے ہم کو احسن سے

اور اپنی ایک غزل اُستاد مرحوم کی خدمت میں اصلاح کے لیے میری معرفت بھیجی تھی جس کا اشارہ اس خط میں کیا گیا ہے۔



(۳۶)

ایضاً

محمد ذوالفقار علی خاں صاحب! وعلیکم السلام

آپ نے جو اِس شعر کی بابت جواب لکھا ہے، میری نظر سے وہ اخبار گزرا۔ درست و صحیح لکھا ہے۔ خدا تم کو ہمیشہ صحت سے رکھے اور بچّوں کو عافیت سے۔ محمد اصغر علی خاں اور محمود علی خاں صاحب کو میرا سلام نیاز لکھ دینا۔ ایک غزل تو بھیجتا ہوں باقی آیندہ۔ مجھ پر زمانہ چھُری تیز کیے ہوئے ہے۔ خدا دارم چہ غم دارم ؎

عشق میں گمنام کیا بدنام ہو
میری شہرت نے مجھے رُسوا کیا

خدا محسود رکھے۔ آمین۔ مجھ کو وجعِ مفاصل کی شکایت ہے۔ بالفعل ہمرکاب بندگانِ عالی سفر میں ہوں۔ خط کی رسید میرے مکان پر جلد بھیجنا۔ بچّوں کو دُعا۔

داغ دہلوی۔ حیدرآباد۔ ترپ بازار۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

یہ خط رسالۂ مخزن لاہور (اگست ۱۹۲۸ء) میں چھپا ہے، گوہر صاحب اس خط کے متعلق لکھتے ہیں:۔

یہ خط اُستاد مرحوم کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور سُرخ روشنائی کا ہے۔ ایک چھوٹے سے پرچے پر جو ۳ انچ لمبا اور ۲۔ انچ چوڑا ہے، لکھا گیا ہے جس سے عجلت ظاہر ہے۔ اس میں اپنے ایک شعر کے جواب کا ذکر ہے اور وہ شعر یہ تھا:۔

دلبر سے جدا ہونا یا دل کو جُدا کرنا
اس سوچ میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا

اہلِ لکھنؤ نے اس شعر پر اعتراض کیے تھے کہ "آخر مجھے کیا کرنا" حیدرآباد کی اُردو ہے۔ داغ حیدرآباد کیا گئے اُردو دہلی ہی میں چھوڑ گئے وغیرہ وغیرہ۔ اس خاکسار (گوہر) نے البشیر اخبار اٹاوہ میں مبسوط جواب دیا تھا اور وہ جواب بغرض ملاحظہ حضرت اُستاد کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ اُسی کے جواب میں یہ خط بھیجا گیا۔



(۳۷)

بنام سیّد نذیر احسن نسیم ہلسوی

صاحب موجِ نسیم سلّمہ اللہ الحکیم۔ میری طبیعت نادرست ہے ضعفِ معدہ اور وجع مفاصل کی شکایت سے نہایت تکلیف ہے۔

اے بت اللہ تو ہو آپ رگ گردن میں
ہاتھ ہی تو نے گلے میں مرے ڈالا ہوتا

اس شعر کا مطلب صاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ حسب ارشاد نحن اقرب الیہ من حبل الورید خود رگ گردن میں موجود ہے اور تم کہ بت ہو کر خدائی کا دعویٰ تو کرتے ہو مگر تم سے کبھی میری گردن میں ہاتھ تک نہیں ڈالے جاتے پھر تم کیسے خدائی کا دعویٰ کرنے والے ہو۔ گردن میں ہاتھ ڈالنا کنایہ ہے پیار اور محبت سے۔

فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۷ر فروری ۱۹۰۴ء

نسیم مرحوم ہلسہ ضلع پٹنہ کے رہنے والے اور استاد مرحوم کے بہترین شاگردوں میں تھے۔ اُنھوں نے حضرت امیر مینائیؒ کے ایک شعر کا مطلب پوچھا تھا جس کا یہ جواب دیا گیا۔

---

(۳۸)

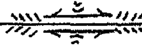
بنام سیّد امیر حسن دلیر مارہروی

غزل میں روانہ کر چکا ہوں بہت دن ہوئے۔ احسن صاحب سے دریافت کرو۔

دلیر صاحب نے ایک غزل (دعا تم ہو، مدعا تم ہو) اصلاح کے

لیے بھیجی تھی اور لکھا تھا کہ بعد اصلاح یہ غزل احسن کے نام دفتر ریاض سخن میں بھیج دی جائے، اُس کی یاد دہانی میں دلیر صاحب نے ایک خط لکھا تھا۔ جواب میں مندرجۂ بالا فقرے اُستاد مرحوم نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجے۔ یہ تحریر فروری ۱۸۹۸ء کی ہے۔

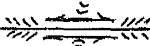
سید امیر حسن صاحب دلیر اُستاد مرحوم کے بہترین شاگردوں میں ہیں اور میری شاگردی سے پہلے وہ تلمذ حاصل کر چکے تھے بذریعہ خط وکتابت۔ اس وقت بقید حیات ہیں اور ۷۰۔۷۱ برس کی عمر ہے۔



(۳۹)

بنام احسن مارہروی

جناب من۔ آپ کا نام شاگردوں میں لکھا گیا، اطمینان رکھیے۔ ڈاکٹر مہدی حسن صاحب نے ایک تاریخ گوئی میں کتاب لکھی ہے۔ ضرور منگوائیے پتا یہ ہے۔ قلعہ گول کنڈا، حیدرآباد دکن۔

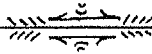


جس خط کے جواب میں یہ تحریر بھیجی گئی وہ خط مارہرے سے ۲۷ جون ۱۸۹۶ء کو حیدرآباد روانہ کیا گیا۔ بادامی کاغذ پر لکھا گیا تھا۔ اسی خط کے حاشیے پر سرخ روشنائی سے جواب لکھ دیا گیا، جو کسی دوسرے کے ہاتھ کی تحریر ہے۔ اُستاد مرحوم کے دستخط وغیرہ

کچھ نہ تھے۔ جس لفافے میں یہ جواب بھیجا گیا اُس کا پتا ان الفاظ میں تھا:-

بعونہ تعالیٰ ۔ بمقام مارہرہ ضلع ایٹہ ۔ سرکار خُرد رسیدہ
بمطالعہ سیّد علی احسن متخلص بہ احسن ۔ در آید۔
۳۱ ر جولائی ۱۸۹۶ء ٹکٹ چسپاں۔

یہ لفافہ ۵ ر اگست ۱۸۹۶ء کو مارہرے پہنچا۔ لفافے کی پُشت پر مرزا داغ کی مہر تھی جس کا نمونہ مقدمے میں دکھایا گیا ہے۔



(۴۰)

ایضاً

یہ مصرع تو بالکل بے معنی ہے۔ تم نے اپنا مصرع کیوں نہ لکھا، تم اپنا مصرع لکھ کر بھیجو تو مَیں اس کو دیکھوں کہ وہ کیوں کاٹا گیا تھا۔ کچھ متروکات گلدستۂ زبانِ دہلی میں چھپے ہیں، مولوی راسخ صاحب مہتمم گلدستہ سے منگواؤ۔ یقین ہے کہ مہتاب داغ تمھارے پاس ہوگا اُس میں کچھ متروکات چھپے ہیں۔

گلبنِ تاریخ اس کتاب کا نام ہے۔ ۲۰ ہزار لُغت مصنّف نے جمع کیے ہیں۔ قریب ۸۰۰ صفحے کے طبع ہو گئے ہیں۔ یہ مصنّف کا بیان ہے میری نظر سے کتاب نہیں گزری۔ قیمت تاریخ کی للعہ ؍

یہاں میرا فوٹو اُتارا گیا ہے۔ راجہ دین دیال بہادر، یہاں کے سکندر آباد میں رہتے ہیں، نامی فوٹو گرافر ہیں۔ سرکار کے ملازم ہیں۔ پریڈ کے میدان کے پاس اُن کی کوٹھی ہے۔ ہر طرح کی تصویریں کھینچتے ہیں۔ ہر شاگرد کو چاہیے کہ اُن سے منگوا کر اپنے پاس رکھے۔ ہمارے بعد یادگار رہے گی۔ قیمت بذریعہ خط کے دریافت کر لیجیے۔

یہ تحریر جس خط کے جواب میں لکھی گئی اُس کی نقل حسب ذیل ہے:

عالی جاہا تسلیم۔ والا نامہ عالی اصلاح شدہ وصول ہوا۔ اپنی نافہمی سے ایک مصرع سمجھ نہ سکا یعنی "اس طرف دفتر کھلے الزام کے" اس سے قبل مصرع میں جو اصلاح فرمائی ہے۔ صاف طور سے لکھا ہے "اس طرف جب شکوۂ دفتر کھلا" اگر یہی مصرع بجنسہٖ ہے تو بالکل میری سمجھ میں نہیں آیا کہ شکوۂ دفتر سے کیا مُراد ہے۔ امید کہ مطلع فرمایا جاؤں۔

آپ نے جو متروکات تحریر کیے ہیں آیا وہ طبع ہو گئے یا نہیں مجھ کو سخت ضرورت ہے۔ اگر طبع نہ ہوئے ہوں اور اُن کا حجم زیادہ نہ ہو تو وہ قلمی ہی میرے نام پیکٹ کر دیجیے کہ میں نقل کر کے واپس دے دوں، بے انتہا بندہ پروری ہوگی۔ آپ نے ڈاکٹر مہدی حسن صاحب کی کتاب کے بارے میں لکھا ہے معلوم نہیں کہ اُس کتاب کا کیا نام اور قیمت ہے۔ میرے پاس اکثر اس فن کی کتابیں موجود ہیں اس لیے

چاہتا ہوں کہ اُس کا نام و قیمت معلوم ہو جائے۔
(یہ خط ۱۸۹۶ء میں لکھا گیا تھا۔)

(۴۱)

ایضاً

یہ غزل پُرانے مسودے میں نکل آئی۔ نیا کلام کہنے کی نہ فرصت رہی، نہ طبیعت رہی۔
فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۱۸ر دسمبر ۱۸۹۶ء

راقم الحروف اُس زمانے میں ایک ماہوار گلدستہ جس کا پہلا نام ریاض سخن اور دوسرا نام ریاض خلیل تھا، شائع کرتا تھا اُس کے لیے اُستاد مرحوم سے غزل منگوائی تھی جس کے جواب میں ایک پُرانی غزل بھیجی گئی اور مندرجہ بالا فقرے لکھوائے گئے۔ اسی طرح میں پورا گلدستہ نکالا گیا۔ اس غزل کے ۳ شعر یہ ہیں:-

ہُوا جب سامنا اُس خوب رُو سے اُڑا ہی رنگ گل کا پہلے بو سے
ہمارا دل اُسے اب ڈھونڈھتا ہے تھکے ہیں پاؤں جس کی جستجو سے

ہُوا ہی داغ آصف کا نمک خوار
گزر جائے الٰہی آبرُو سے

(۴۲)

ایضاً

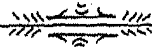
سیّد احسن صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ

اس وقت آپ کے قصیدے کی باری آئی آپ نے بہت طول دیا ہے۔ نذر حضور کا جو لفافہ تھا وہ مَیں نے حضور میں بجنسہٖ بھجوا دیا۔ آج وہ غزلیں بھی شاگردوں کی دیکھیں جن کی نقل آپ نے بھجوائی تھی۔ اب تو ہر شخص بجائے خود اُستاد ہے۔ بجز دو ایک شخصوں کے اور سب غزلیں بے اصلاحی ہیں۔ آج مَیں نے اُن کو بھی بنا دیا۔ اس خط میں ملفوف کرکے بھیجتا ہوں۔ بارق اور برق کی غزل تو مَیں نے دیکھی تھی۔ اور صاحبوں کو کارڈ لکھ کر اطلاع دے دیجیے کہ اُستاد اس بات سے ناراض ہوئے۔ ایک اشتہار اس گلدستے میں آپ چھاپ دیجیے، اکثر اُستاد کے شاگرد بجائے خود اُستاد بن کر اپنی غزلیں بے اصلاحی چھپوا دیتے ہیں اُس میں غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ کسی شخص نے لفظ ایجاد اور ارشاد کو مؤنث باندھا حالانکہ اہلِ دہلی کی زبان پر دونوں لفظ مذکّر ہیں۔ کسی صاحب نے لفظ مِیّت جو بکسر یائے تحتانی ہے اُس کو بفتح یا باندھا۔ بُو کے قافیے میں ابرُو کو مونث باندھا وہ بھی مذکّر ہے۔ اور اسی مضمون کی نقل گلدستۂ ارمغاں میں بھی بھیج دینا کہ وہاں بھی چھاپ دیا۔ اہلِ انتخاب کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ غلط کلام کو نہ چھاپیں، مگر یہ معلوم

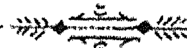
نہیں کہ نامعلوم صاحبانِ انتخاب کس کھیت کے ہیں۔ لفافہ، کارڈ رجسٹری شدہ روانہ کر چکا ہوں۔ اور بھجواؤ۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ فیضِ داغ کیا چیز ہے کیا کتاب ہے۔ والسلام فقط

مورخہ ۱۵۔ رجب المرجب ۱۳۱۵ھ ہجری

فصیح الملک داغ دہلوی



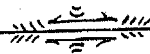
ریاضِ سخن اور ریاض خلیل میں حضور نظام (آصفجاہ سادس) اور نواب ٹونک (حافظ ابراہیم علی خاں) کی غزلیں اور تصویریں شائع ہوئی تھیں۔ اُن غزلوں کے شکریے میں سپاس نامہ اور قصیدے کے نام سے جو نظمیں شائع ہوئی تھیں، جواب میں اسی قصیدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارمغاں بھی ایک ماہوار گلدستہ تھا جو شاہجہاں پور سے باہتمام منشی احسان علی خاں، احسان شائع ہوتا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں راقم نے فیضِ داغ کے نام سے ایک کتاب مرتب کرنی شروع کی تھی، اُسی کے متعلق بطور اعلان کارڈ چھپوا کر اُستاد کی خدمت میں بھیجے تھے کہ وہ اپنے دستخطوں اور مہر سے ان پر تصدیق فرمادیں تاکہ تلامذہ کے پاس وہ کارڈ بھیج کر خریداری کے لیے متوجہ کیا جاتے یہی کتاب (فیضِ داغ) بعد کو فصیح اللغات کے نام سے مرتب کی گئی جس کے چند اجزا شائع ہو کر رہ گئے۔



(۴۳)

ایضاً

مَیں سفر میں حاضر حضور ہوں، مجھ کو بات کرنے کی فرصت نہیں۔ یہ لکھنؤ والوں نے اصلاح دے کر چھاپا ہوگا۔ مَیں نے جو اس وقت آفتاب داغ دیکھا تو اُس میں "طرز اپنی ہی جُدا" لکھا ہی۔ طرز مؤنث ہی ہرگز مذکر نہیں۔



یہ سطور اُستاد مرحوم کی خود نوشت ہیں۔ جس خط کے جواب میں لکھی گئیں اس کی نقل حسب ذیل ہی۔ جس سے بعض ضروری اشاروں کی وضاحت ہو جائے گی۔

حضرت اُستادی مدظلہ العالی۔ آداب و تسلیم

کل والا نامۂ سامی مع غزل دلیر و ایک کارڈ پہنچا، کیفیت مندرجہ سے آگہی ہوئی، آپ نے جو تحریر فرمایا ہی کہ اپنا اشتیاق الگ کاغذ پر تحریر کرکے مجھ کو بھیج دو کہ حضور بندگانِ عالی میں پیش کروں۔ حسب الارشاد بھیجتا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ مبادا ٹھیک نہ ہو۔ کیونکہ مَیں نے کبھی اس قسم کی تحریر لکھی نہیں ہی۔ خدا کرے درست ہو۔

میری غزل میں ایجاد کہیں مؤنث نہیں ہی اور نہ مَیں نے لکھا۔ غالباً حضور نے ملاحظہ نہیں فرمایا۔ میاں احسن شاہجہاں پوری نے مؤنث لکھا ہی، جس کی اگلے پرچے میں صحت ہو جائے گی۔ اور دوسرے میری غزل تو ملاحظۂ سامی میں گزر چکی ہی۔ مولوی عبدالحی بیخود

نے ایجاد کو مؤنث لکھا ہے، خدا جانے کیا بات ہے کہ ایسے کہنہ مشق بھی ایسی فاش غلطیاں کرتے ہیں۔

آپ نے ہم لوگوں کو ہدایت بھی کی ہے کہ طرز مؤنث لکھا کرو اور خود بھی اکثر مؤنث لکھا ہے مگر آفتاب داغ میں ایک جگہ مذکر ہے۔

نہیں ملتا کسی مضموں میں ہمارا مضموں
طرز اپنا ہے حباب سے جدا لکھتے ہیں

اگر اس میں کاتب کی غلطی نہیں ہے تو یہ بات ہم لوگوں کے ثبوت کو کافی ہے کہ خواہ مؤنث لکھیں یا مذکر۔ ہاں ایک بات اور قابل دریافت ہے ٹوپی اوڑھنا صحیح ہیں یا ٹوپی پہننا صحیح ہے۔

خاکسار

علی احسن - ۱۵ دسمبر ۱۸۹۷ء

طرز کے متعلق جواب مندرجۂ بالا میں وضاحت موجود ہے۔ ٹوپی اوڑھنا اور پہننا کی بابت جواباً یہ اشارہ کیا گیا کہ اوڑھنے کو قلم زد کر دیا اور پہننے کو بحالہ رکھا۔



(۴۴)

ایضاً

تصویر دیکھ کر بندگانِ عالی ناخوش ہوئے، دوسری بار فوٹو چھاپنا چاہیے، جیسا کہ راجہ دین دیال نے بھیجا ہے۔ آپ اپنا اشتیاق نامہ میرے پاس بھجوادیں۔

یہ سطریں خود اُستاد مرحوم کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں اور جس خط کی پشت پر لکھی گئیں وہ حسب ذیل ہی۔

"قبلہ وکعبہ حضرت اُستادی مدظلہ العالی۔ آداب وتسلیم

جنوری کا گلدستہ جس میں حضور بندگان عالی متعالی دام اقبالہم کا فوٹو ہی بصیغۂ رجسٹری وصول ہوگیا ہوگا۔ آپ کے نام جو گلدستہ گیا ہی وہ آدمی کی غلطی سے بُری طرح گیا ہی اگر اس کا فوٹو خراب ہوگیا ہو تو تحریر فرمائیے، اور دوسرا بھیج دیا جائے اور یہ بھی تحریر فرمائیے کہ اس فوٹو کی صفائی اور عمدگی اور اصلیت کے متعلق کیا رائے ہی۔ حضور بندگان عالی نے بعد ملاحظہ کیا ارشاد فرمایا۔ مجھ کو اس کی ضرور اطلاع فرمائی جائے" تاکہ میری سعی مشکور ہو۔"

راقم نے گلدستۂ ریاض سخن میں حضور آصفجاہ سادس کا فوٹو لیتھو پریس میں چھپوا کر شائع کیا تھا، فوٹو کے مقابل میں ڈاڑھی ذرا لمبی ہوگئی تھی اسی خرابی کے متعلق یہ لکھا گیا۔ اُسی رسالے کے دوسرے نمبر میں نواب ٹونک کا فوٹو شائع کیا گیا تھا اور یہ فوٹو حضرت مضطر خیرآبادی کی وساطت سے حاصل ہوا تھا دونوں نمبروں میں دونوں والیان ملک کی غزلیں شائع ہوئی تھیں جس نمبر میں والیِ ٹونک کا فوٹو اور غزل شائع ہوئی تھی اُس نمبر کے لیے حضرت مضطر کا اصرار تھا کہ مرزا صاحب کی غزل بھی اس طرح میں ہونی چاہیے۔ اس خصوص میں راقم نے مرزا صاحب کو اسی خط میں یہ عبارت لکھی تھی،

جو مندرجۂ بالا حصّۂ خط کے بعد تھی:۔

غالبًا آپ کو یہ میری بے ادبی باوجود تنبیہ ناخوش کرے گی مگر یہ میرا فرض ہو کہ مَیں اپنا دردِ دُکھ ضرور آپ سے کہوں۔ مضطر نے مجکو لکھا ہو کہ نواب صاحب ٹونک (حافظ محمد ابراہیم علی خاں خلیل) فرماتے ہیں کہ "تاوقتے کہ "تمھارے اُستاد نواب فصیح الملک بہادر کی غزل نہ آجائے فروری کا گلدستہ ہرگز ہرگز نہ شائع کرنا"۔ اب بتائیے کہ مَیں کیا کروں، ادھر مضطر اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ آپ میری طرف سے حضرت داغ کو لکھ دیں کہ" بوجوہات بالخصوص بواسطۂ اتحاد اکابر مثل مولانا شمس العلما محمد عبدالحق صاحب اپنا واجب التعظیم اور بزرگ جانتا ہوں"

بعض فنّی باتوں اور بعض افواہوں کی وجہ سے اُستاد مرحوم کو حضرت مضطر سے بزرگانہ شکایتیں ہوگئی تھیں۔ اسی کی طرف اوپر کی سطروں میں جناب مضطر نے اشارہ کیا ہو اور پھر یہ شعر لکھا ہو:۔

عدو کے کہنے سے مجھ کو عدو شمار کیا
حضور آپ نے اچھّے کا اعتبار کیا

میرے خط کا باقی حصہ یہ ہو:۔

ایک مرتبہ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ "رسوا کیا مجھے" اس طرح مَیں بندگانِ عالی متعالی دام اقبالہم نے غزل تحریر فرمائی ہو۔ اگر حکم ہو تو پھر مثلِ سابق اپنا اشتیاق ایک دوسرے خط میں لکھ کر بھیجوں یا آپ ہی کوشش فرماکر بھیج دیں۔ والادب

فدوی علی احسن۔ مینجر ریاض سخن۔ ۱۳ ، شوال ۱۳۱۵ھ

(۴۵)

ایضاً

مشفقی سیّد احسن صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ۔ سلام مسنون کے بعد مدّعا نگار ہوں۔ کل مَیں نے دھوکے سے اپنی تصویر بصیغۂ رجسٹری آپ کے پاس بھیج دی، اس کو بصیغۂ رجسٹری واپس کیجیے۔ جو خطوط آپ کے آئے اس کا جواب یہاں سے گیا۔

مضطر صاحب ٹونک کے ملک الشعرا ہوئے، مگر ملک مان لے۔ یہ بڑی شرط ہے۔ وہ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ اُن کی طرح میں مجھ سے غزل کہلواتے ہیں، یہ تو لڑکا ہے ان کا بڑا بھائی بھی لڑکا تھا۔ رام پور میں مَیں نے اس کی شادی میں سعی کی تھی اور اُس نے اپنے کلام کی اصلاح بھی لی تھی۔ اس کو تو مَیں جانتا بھی نہیں۔ بچّوں کی بات کا جواب کیا دوں۔

مدّتے باید کہ یار آید بکنار۔

یقین ہے کہ آپ نے گفتار کی جگہ مصرعِ ثانی سرکار میں اقرار بنا دیا ہوگا۔ مَیں تین خطوں میں یہ بات لکھ چکا ہوں مگر جواب ندارد

کل مَیں نے حکیم اشرف الحکما افلاطون جنگ لقمان الدّولہ محمد حیدر خاں بہادر کی غزل بھیجی ہے۔ اسی القاب کے ساتھ چھاپنا۔

فصیح الملک داغ دہلوی - ۱۵ر جنوری ۱۸۹۷ء شنبہ

زمانۂ قیام رامپور میں مرزا صاحب اور شمس العلما مولانا عبدالحق صاحب منطقی خیرآبادی میں بہت خصوصی دوستی تھی اور مضطر اور ان کے بڑے بھائی بسمل مولانائے منطقی کے بہت قریبی عزیز تھے۔ اسی مناسبت سے اُن کو بچّہ لکھا ہے۔ اُسی زمانے میں ریاض الاخبار اور اودھ پنچ میں بعض اعتراضات مرزا صاحب کے کلام پر شائع ہوتے تھے اسی سلسلے میں کسی نے مرزا صاحب سے کہہ دیا کہ فلاں اعتراض مضطر نے کیا ہے۔ خط مندرجۂ بالا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ گلدستۂ ریاض سخن میں حضور نظام کی ایک غزل "تلوار کیسی ہے۔ گفتار کیسی ہے" کی طرح میں آئی تھی اس کے ایک مصرع میں سہواً قرار کی جگہ گفتار چھپ گیا تھا، اس خط میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے

(۴۶)

ایضاً

مہتاب داغ ملاحظہ کرو، میری غزل اس زمین میں ہے۔ مجھ پر تقاضا کیے جاؤ اور مصرعے بھیجے جاؤ۔

گلدستہ ریاض سخن کے لیے میں نے اس طرح میں " پہلو ٹٹولتے ہو مگر دل کہیں نہیں" غزل چاہی تھی جس کی بابت لکھا گیا کہ اس زمین

میں مطبوعہ غزل مہتاب داغ میں موجود ہے۔ یہ خط ۸ اپریل ۱۸۹۷ء کو بھیجا گیا تھا۔

(۴۷)

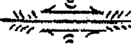
ایضاً

جناب سید احسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون کے، آج آپ کا خط مورخہ ۲۴ نومبر آیا۔ کل میں خط روانہ کر چکا ہوں۔ گفتار کیسی ہے، اس میں میرے جس شاگرد کی غزل آپ کے پاس آئے یا آئی ہو اس کی نقل مع اپنی غزل کی نقل کے بھجوائیے۔ پوسٹ کارڈ جو آئے ہیں اُن پر لکھنے کی مجھ کو فرصت نہیں ملی۔ انشاء اللہ تعالیٰ دو چار روز میں روانہ کرتا ہوں۔ دو ایک شاگردوں نے اس کی رسید لکھی ہے اور اپنی خریداری ظاہر کی ہے۔ جتنے آدمی خریدار ہوں اس سے بھی مجھے اطلاع ہوتی رہے۔ اعلیٰ حضرت حضور آصفجاہ اگر اپنی غزل عنایت فرمائیں گے تو میں بھجوا دوں گا۔

فصیح الملک داغ دہلوی

گلدستۂ ریاض سخن کے خریداروں کی افزائش کے لیے یہ تدبیر کی گئی تھی کہ کچھ کارڈ چھپوا کر مرزا صاحب کی خدمت میں بھیج دیے گئے تھے اور استدعا کی تھی کہ فہرست تلامذہ میں

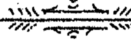
سے اُن کا نام اور پتا لکھوا کر بہ ثبت مہر اپنی طرف سے مکتوب الیہم کے نام بھجوا دیے جائیں۔ اسی طرف اس خط میں اشارہ کیا گیا ہے۔



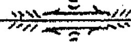
(۴۸)

ایضاً

کیا کروں، تین مہینے سے پھر بیمار علی الاتصال ہوں۔ فقط



۲۴ر جولائی ۱۸۹۷ء کو ایک خط باستدعائے غزل بھیجا گیا جس کے جواب میں یہ فقرے اپنے ہاتھ سے لکھ کر خط واپس کیا گیا۔



(۴۹)

ایضاً

ابھی اس زمین میں بہت جان ہے، مجھ کو غزل پسند نہیں آئی اور شعر لکھ کر بھیجو۔ نہ پہلو دیکھتے ہو نہ سمجھتے ہو، مصرع طرح کرنا تم کو نہیں آتا، مزاج میں جلدی بہت ہے، اگر گلدستہ دس دن بعد نکلا تو کیا کفر ہو گیا، جو مصرع طرح کیا ہے دیکھوں گا لوگ کیا کیا کہتے ہیں۔ میں نے تو فرمائش سے کہی تھی۔ جانتا کا الف دبتا ہے۔

آپ کے کارڈ مکان پر آئے ہوں گے، مَیں تو سفر میں ہوں کیا خبر دنیا کدھر ہی۔

مصرع طرح:۔ پیری میں کسے یادِ جوانی نہیں آتی۔

انشاءاللہ تعالیٰ غزل سرکاری پہنچے گی۔ دعا کرو۔ ابھی روزگار کا یہاں نام نہ لو۔

ایک مرتبہ ریاضِ سخن میں یہ طرح کی گئی تھی:۔

"عاشق تمھیں ملیں گے بہت آشنا مجھے"

اسی زمین کے متعلق فرمایا گیا کہ اس میں بہت جان ہی اور اشعار کہہ کر بھیجو۔ اسی طرح مرزا صاحب کی ایک مطبوعہ غزل کا یہ مصرعِ طرح کر دیا گیا تھا:"مَیں نے وہ رنج اُٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہی" اس کو ناپسند کیا اور گلدستے کی طرح کے لائق نہیں سمجھا گیا۔ خود اپنی غزل کے لیے کہا گیا کہ میں نے فرمائش سے یہ غزل کہہ دی ہی اس میں جانتا کا الف دبتا ہی جو محفلِ فصاحت ہی۔ اُسی خط میں راقم نے ملازمت کی خواہش ظاہر کی تھی جس کا اشارۂ ممانعت جواب میں کیا گیا۔ کارڈ سے مُراد وہی خریدارانِ گلدستہ کے کارڈ ہیں جو تلامذہ کے پتوں کے لیے مَیں بھیجتا رہتا تھا۔

---

(۵۰)

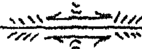
ایضاً

ہواللہ الاکبر

جناب سید احسن صاحب دام عنایتکم۔ "کیسی ہے" اس میں شاید حضور پُر نور بھی اپنی غزل مرحمت فرمائیں، اس کا خیال رہے کہ اگر غزل سُلطانی آئے اور اُس میں میرے شاگردوں کے مضامین سے کوئی شعر لڑے تو اُس شاگرد کا وہ شعر نہ چھپے، ایک طرح میں توارد بھی ہو جاتا ہے، اس وقت یہ بڑا خیال ہے کہ آپ کی کامیابی ہو۔ بندگان عالی نے تو کسی شاگرد کی غزل ملاحظہ نہیں فرمائی مگر مجھ کو خیال ہے کہ مبادا کسی سے مضمون لڑ جائے کہ میرے شاگرد ہوں گے اور مجھ کو کیا یاد رہتا ہے، ایک مصرع بھی کسی کا یاد نہیں رہتا، اپنا ہی شعر یاد نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ گلدستے کی طرح ہونے میں ذرا دیر کی جائے، مجھ کو لکھو اپنا شوق و انتظار۔

کلام مع کل للعطے ۴۹ کارڈ پہنچے۔ شاید ایک کارڈ وہیں رہا۔ خط نہیں آیا، شاید آج آئے۔

فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۱۶ نومبر ۱۸۹۷ء چارشنبہ



مرزا داغ بہت کم اپنے قلم سے خطوط وغیرہ لکھا کرتے تھے اکثر دوسروں سے لکھواتے تھے اور اس میں کسی خاص شخص کی

خصوصیت نہ ہوتی تھی بلکہ حاضر باش شاگردوں میں جو موجود ہوتا اس سے لکھوا دیتے تھے۔ لکھنے والوں کی مختلف نوعیتیں ہوتی تھیں، کوئی اُن کے معمولی مفہوم کو ایک آدھ لفظ کے اول بدل سے لکھ دیتا کوئی سہواً کسی لفظ کو چھوڑ دیتا، یہی اسباب ہیں کہ اُن کے لکھوائے ہوئے خطوں اور فقروں میں کہیں کہیں بے ربطی نظر آئے گی۔ غزلوں کی اصلاح یا خطوط نویسی اکثر مختلف احباب و تلامذہ کی موجودگی میں ہوئی تھی، مرزا صاحب بولتے جاتے تھے اور لکھنے والا لکھتا جاتا تھا اس حالت میں اور باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ غرض اسی قسم کی وجوہ سے جا بجا متکلّم و سامع یا کاتب کے الفاظ میں تغیّرات نظر آئیں گے۔

---

(۵۱)

ایضاً

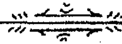
سیّد احسن صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ

آج آپ کا خط آیا جس سے حیرت ہوئی۔ ۴ر جنوری ۹۸ء کو سب پوسٹ کارڈ رجسٹری ہوکر تمھارے پاس گئے اور تم لکھتے ہو کہ نہیں پہنچے اور دو خط اور روانہ کر چکا ہوں سرکاری غزل میں کاتب کی غلطی سے دونوں جگہ گفتار گفتار لکھ دیا گیا ہے؛ دوسرے مصرع میں گفتار کی جگہ اقرار ہے، چنانچہ مفصّل یہ سب لکھ دیا ہے۔ ایک خط ۶ر جنوری کو گیا ہے اور ایک ۷ر جنوری کو

گیا ہے تم حساب تو کر لیا کرو کہ کس تاریخ کو تم خط روانہ کرتے ہو اور کس تاریخ کو تم کو اُس کا جواب ملنا چاہیے۔

بادشاہی فیض عام ہوتا ہے، خصوصیت نہیں، آپ کو کیا معلوم کہ کس قدر درخواستیں آتی ہیں۔ مجھ کو چار روز سے سخت تپ ولرزہ ہے ایک تپ رہتی ہے اور ایک تپ آتی ہے۔ اس وقت تک بخار نہیں اُترا۔ فقط دعا کا طالب ہوں۔

فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۱۱ جنوری سنہ ۹۸ء



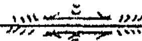
(۵۲)

ایضاً

میر صاحب!

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ٹونک کی طرح میں میں ہرگز غزل نہیں لکھوں گا۔ وہ لڑکا رئیس کا اُستاد بن کر میرے اشعار پر اعتراض کرتا ہے، حال آں کہ اُن کے بھائی نے رامپور میں مجھ سے اصلاح لی تھی۔ آپ اپنے گلدستے کی رونق اُنھیں کے کلام سے بڑھائیے یہاں کسی کو غرض نہیں۔ اس زمین میں بیشتر غزلیں بے اصلاحی گئی ہوں گی مجھ کو یاد ہے کہ دو یا تین غزلیں اس زمین میں آئیں۔ مجھ کو بسبب صوم فرصت نہیں فقط

فصیح الملک داغ دہلوی۔ مورخہ دہم رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۵ ہجری



یہ تحریر اُستاد کے دستخط خاص کی لکھی ہوئی ہے اور حسب معمول خط کی پشت پر سُرخ روشنائی سے ترچھی لکھی ہوئی ہے۔ جس خط کے جواب میں یہ عبارت لکھی گئی اُس کی نقل بغرض وضاحت جواب درج کی جاتی ہے:-

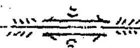
حضرت استادی و معظمی و محترمی مدظلّہ العالی۔ آداب و تسلیم عرض ہے قصیدہ و غزل بعد اصلاح وصول ہوئے۔ واقعی

سرا براہیم علی خاں تاجدار عدل ودیں داری

اس میں میم ندارد ہے۔ میں نے اس جگہ یہ کر دیا ہے "براہیم علی خاں الخ" یہ بھی ٹھیک نہیں معلوم ہوتا مگر خیر قابل اعتراض نہیں ہے۔

"ہماری آرزو تم ہو ہمارا مدّعا تم ہو" اس طرح میں غزل عالی کا منتظر ہوں۔ اگرچہ آپ کو قطعی فرصت نہ ہوگی مگر ایک اپنے حقیر شاگرد کی عزّت افزائی کے لیے آپ ضرور تھوڑی سی تکلیف گوارا فرمائیں گے ورنہ اس مرتبہ تمام ہم چشموں میں میری سبکی ہوگی۔ خادمانِ والا سے امیدِ واثق ہے کہ یہ میری غزل قبول فرماکر بواپسیِ ڈاک غزل سے سرفراز فرمائیں گے۔ اس طرح میں اپنے اُستاد بھائیوں کی جس قدر غزلیں وصول ہوئی ہیں بنظر احتیاط اصلاح کے لیے ارسال ہیں یقیناً اس میں چند غزلیں بے اصلاحی ہیں۔ والادب فقط

فدوی علی احسن احسن منیجر ریاض سخن۔ ۲۹ر جنوری ۹۸ئہ از مارہرہ



(۵۳)

ایضاً

مشفقی سیّد احسن صاحب احسن سلمہ اللہ الذوالمنن

آج آپ کا کارڈ آیا، وعلیکم السلام۔ سرکاری غزل میں دوسرا قافیہ اقرار کا ہے۔" لبوں پر مسکراہٹ سی دمِ اقرار کیسی ہے" کاتب کی غلطی سے دونوں جگہ ایک قافیہ لکھا گیا اصل کاغذ کو چھیل کر اقرار بنا دینا، چوں کہ وہ کاغذ واپس طلب کیا جائے گا، لہذا کاتب پر قہر نہ ٹوٹے۔ میں نے سُنا ہے "کمال کیسا ہے" "وفا مجھے" اس میں بھی غزلیں فرماتی ہیں، دیکھیے کب عنایت ہوں، مگر اس گلدستے میں "کیسی ہے" یہ طرح آیندہ نہیں۔ یہ کیّا کیا نواب صاحب ٹونک کا مصرع پہلے کیوں طرح کر دیا، حال آں کہ حضور کی غزل جا چکی تھی۔ اس کا جواب عنایت ہو۔

فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۱۲ شعبان ۱۳۱۵ھ ہجری

---

(۵۴)

ایضاً

میرے گھر میں سخت علالت ہے، اطبّا نے جواب دے دیا ہے، کوئی دوا راس نہیں آتی۔ خدا جواب نہ دے۔

جن لوگوں کے پاس تمھاری سعی میں کارڈ گئے تھے وہاں

سے لعن طعن آرہی ہے۔ ہوش و حواس درست ہوں گے تو کسی کا کلام دیکھوں گا۔ دعا کرو کہ سیّد ہو۔

دُعا کا طالب فصیح الملک داغ دہلوی

یکم صفر ۱۳۱۶ھ ہجری سہ شنبہ

یہ سطریں بھی بہ دستخط خاص لکھی گئی ہیں۔ ریاض سخن کی اشاعت میں چار ماہ کی دیر ہوگئی تھی اسی کے متعلق بعض اُن شاگردوں نے جو اُستاد کی سفارش پر خریدار ہوئے تھے شکایت لکھی تھی، لعن طعن کا اشارہ اُسی طرف ہے۔

---

(۵۵)

ایضاً

سیّد صاحب! میں اکثر لکھ چکا ہوں کہ قسمت یاور ہو تو اس سرکار عالی سے عطا ہو۔ قصیدہ، غزل، سب لکھ چکے گویا وہ عرضیاں تھیں، ریاست ٹونک سے جو فیض یاب ہوئے غنیمت ہُوا۔ یہاں صاف سعی کرنے سے تو بنی بات بگڑ جاتی ہے۔ مجھ کو تمھارا اور احسان کا ہر دم خیال ہے وہ بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اگر مناسب جانو اپنا نقصان نہ گوارا کرو۔ یہ غزل تم نے اچھی کہی ہے، میں بہت خوش ہُوا۔ تم مجھ کو غزل لکھنے کو کہتے ہو اگر میرا حال دیکھو اور میرے گھر کی کیفیت سُنو تو

ایسا خیال بھی نہ کرو۔ مجھ کو اپنی زندگی میں کلام ہو ع
تمھیں اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
دُعا کا طالب فصیح الملک داغ دہلوی
۸ ربیع الاولی ۱۳۱۵ھ پنجشنبہ

گلدستۂ ریاض سخن کے سلسلے میں مختلف طریقوں سے عطیۂ شاہی کی استدعا کی گئی مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی اسی کے متعلق اشارہ کیا گیا ہو، منشی احسان علی خاں احسان شاہجہاں پوری بھی ارمغان نامی گلدستہ نکالتے تھے وہ بھی میری طرح امیدوار بودہ بداند کے ماتحت ناکام رہے۔ نواب صاحب ٹونک نے ایک ہزار رُپئے کے عطیے کا اعلان فرمایا تھا اور ایسا حضرت مضطر خیرآبادی کی وساطت سے ہوا مگر وہ رقم مجھ تک نہ پہنچی بلکہ آسمان سے اُترکر کھجور میں اٹک رہی۔

---

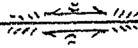
(۵۶)

ایضاً

عزیز من سید علی احسن صاحب۔ سلام مسنون کے بعد مدّعا یہ ہے آپ کے خط کا جواب میں لکھ چکا ہوں۔ ایک شعر جس میں نشتر گُربہ تم نے لکھا ہو واقعی وہ میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ اُسے درست کر دیا ہی، مگر وہ تمھارا خط اس وقت نہیں ملا

یاد پڑتا ہے کہ اُس میں (تو) بنا دیا ہے۔ دوسرا شعر درست ہے، حضرت کا لفظ تم کے ساتھ بھی آتا ہے۔ جس وقت وہ خط ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ بھیج دوں گا۔ آپ نے جو دواوین کے واسطے کہا تھا کہ خریدار فی جلد عُکر دیتا ہے اگر سو دیوان لے تو میں دے دوں گا، اس وقت دو نسخے ہیں۔ میں بہت افسوس کرتا ہوں کہ فصیح اللغات رُکی جاتی ہے اور دیکھیے لوگوں کا گمان کیا کیا ہو گا۔ من جملہ تین جلدوں کے ایک جلد فرہنگ آصفیہ کی اپنے ساتھ کیوں نہ لے گئے۔ اس میں ایسا کیا بوجھ تھا گلدستۂ معیار کی طرح کی غزل جو آپ نے طلب کی ہے اُس میں میرا کوئی فصل نہیں تم نہ کلام سے مدد دو نہ دام سے پھر کوئی تم سے کیا توقع کرے۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام

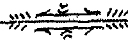
۲۲۔ جولائی　فصیح الملک داغ دہلوی



مارہرے کے ایک نومشق شاگرد نے مرزا صاحب کو اپنی غزل اصلاح کے لیے بھیجی تھی وہ غزل جب اصلاح ہو کر واپس ہوئی تو اُس میں دو شعر مشتبہ حالت میں پائے گئے۔ اس کی بابت میں نے لکھا تھا کہ وہ دونوں شعر یقینی آپ کی سماعت میں نہیں آتے ورنہ یہ معمولی باتیں نہ رہ جاتیں وہ دونوں شعر لکھتا ہوں اگر ان میں شتر گربہ ہے تو اصلاح فرمائیے ورنہ فدوی کو متنبہ فرمائیے:-

تم کو دل دے کے یہ فرمائیے نے کیا کوئی　　　نہ تو دیتے ہو جواب اور نہ بوسا کوئی
تم جو بے ہوش ہوتے طور پہ کیا دیکھا تھا　　　بات کہتے تو بھلا حضرتِ موسیٰ کوئی

میں جب حیدرآباد سے آیا ہوں تو فرہنگ آصفیہ کی چار جلدوں میں سے تین جلدیں اپنے ساتھ لے آیا تھا اور چوتھی اس لیے نہیں لایا تھا کہ وہ میرے پاس مارہرے میں پہلے سے موجود تھی۔ انھیں باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مرزا سراج الدین احمد خاں سائل نے حیدرآباد سے معیارالانشاد نامی ایک ماہوار گلدستہ نکالا تھا جو چند ماہ چل کر بند ہوگیا۔ اسی گلدستے میں غزل لکھنے کی بابت لکھا گیا، کہ میں نے بہت کم اس کے لیے غزلیں بھیجی تھیں۔



(۵۷)

ایضاً

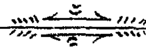
احسن صاحب! آپ کا خط پہنچا، غزلیں پہنچیں، فرصت میں جواب لکھوں گا۔ نواب خورشید جاہ کے انتقال کا یہاں بڑا صدمہ ہے۔ دو کارڈ آپ کے نام کے آئے تھے وہ ملفوف ہیں۔ یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ سفرِ دُور دراز کرنا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کئی مہینے آپ کا آنا نہ ہوگا۔ مطبع کو کچھ آپ لکھتے رہتے ہیں یا نہیں۔ گلدستہ تو چھپ کر بٹ بھی گیا، یقین ہے پرچہ تم کو پہنچا ہوگا۔ اخبار پنجۂ فولاد کو اپنا پتا لکھ بھیجو وہ اخبار یہاں بھیج دیتے ہیں۔

راقم داغ دہلوی - ۳۱ جولائی ۱۹۰۲ء ترپ بازار حیدرآباد



حیدرآباد دکن کی ریاست میں تین خاندانی امرا کی پائگاہیں ہیں، ایک آسماں جاہ کی پائگاہ، دوسری وقارالامرا کی پائگاہ، تیسری خورشید جاہ کی پائگاہ۔ ان پائگاہوں کے اُمرا کو شاہی خاندان سے قرابت قریبہ ہے۔ راقم حیدرآباد سے چند دنوں کے لیے وطن آیا تھا، میرے نام جو ڈاک وہاں آتی تھی وہ اُستاد کے پتے سے آتی تھی کارڈ اور اخبار بھیجنے کا یہی مطلب ہے کہ وہاں کی آئی ہوئی ڈاک یہاں بھیج دی جاتی تھی۔ حیدرآباد کے ایک مطبع میں فصیح اللغات کی چھپائی کا انتظام شروع کر دیا گیا تھا یہ ارشاد کہ "مطبع کو لکھتے رہتے ہو یا نہیں" ارشاد ہے اس امر کا کہ کام کا ان پر تقاضا رہے۔ اور اپنا آنا نہ آنا ان کے علم میں رہے۔

پنجۂ فولاد ایک ہفتہ وار اخبار کا نام ہے جو منشی محمدالدین فوق کے اہتمام سے نکلتا تھا اور کئی برس تک نکلتا رہا۔ سفر دور دراز کا قصہ یہ ہے کہ میں نے اسی زمانے میں صوبۂ بہار کا سفر کیا تھا اور آرہ۔ پٹنہ مظفرپور اور دربھنگے تک جانا ہوا تھا ضلع آرہ میں میری عزیزداری ہے۔[1]



(۵۸)

ایضاً

سید صاحب۔ آپ کا حال معلوم نہیں، کوئی کہتا ہے بریلی میں کوئی کہتا ہے حیدرآباد میں اور عرصہ سے آپ کا خط بھی نہیں آیا۔

---

[1] مسودہ میں یہاں تک حضرت مرتب مرحوم و مغفور نے خود خطوط نقل فرمائے ہیں۔

تذکرہ انتخاب یادگار، گلستانِ سخن یہ دونوں آپ لے گئے تھے، اس وقت یہاں کتابوں کی موجودات ہو رہی ہی، دونوں تذکرے بھیج دیجیے اور عرصے سے آپ نے خط نہیں بھیجا اس کا کیا سبب ہی. فی الفور جواب دیجیے۔

مکرر تمھاری شرمندگی میرے سر آنکھوں پر، مناسب ہی کہ تم یہاں آؤ، بچّے کو دعا پہنچے، میر حسن علی خاں کی طرف سے سلام شوق و آرزوئے ملاقات۔ عبدالغنی خاں سلام کہتے ہیں۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۵۹)

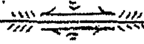
ایضاً

سیّد علی احسن صاحب۔ آپ کا خط آیا آپ کہتے ہیں کہ میں سفر کرتا ہوں خدا مبارک کرے۔ فصیح اللغات کا کیا انتظام کر کے جائیے گا۔ یقین ہی الفاظ میرے پاس آئیں گے۔ جو آئے تھے اُن کے شعر میں نے بھجوا دیے۔ پہلے جو الفاظ تم نے بھیجے تھے وہ میرے پاس سے گم ہو گئے اُن کے واسطے لکھا تھا کہ مکرّر بھیجو جواب تم نے نہ دیا چند مہینے ہوئے کہ محلات کی تنخواہ نہیں ملی، جلوۂ داغ کی بابت کاغذ آئے تھے وہ میں نے بھجوائے اور بھی دو کارڈ ملفوف بھیجتا ہوں۔ یہاں سب طرح خیریت ہی، سب چھوٹوں بڑوں کو سلام پہنچے۔ حقّہ فرشی آپ کے پاس تھا وہ

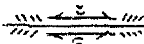
کہاں ہے اور ایک کتاب موسوم بہ "تذکرہ انتخاب یادگار کتب خانے میں نہیں ہے، وہ آپ کے پاس ہو تو بھجوا دیجیے۔ میر حسن علی خاں کا سلام پہنچے۔ سیّد عالم صاحب کی خدمت میں بھی سلام۔

ایک صاحب کہتے تھے کہ مطبع شمسی پر ڈگریاں جاری ہو گئی ہیں۔ خدا جانے جھوٹ ہے یا سچ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی۔ ۳ ستمبر ۱۹۰۲ء



راقم الحروف جب حیدرآباد سے چلا آیا تو فصیح اللغات کے اشعارِ سند کا کچھ دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ میں وطن سے الفاظ لکھ بھیجتا تھا اور مرزا صاحب اس کے جواب میں اشعار کہہ کر بھیج دیتے تھے، افسوس کہ یہ سلسلہ جاری نہ رہا اور پھر مجھے حاضری کا موقع نہ ملا اور کام ناتمام رہ گیا۔ جلوۂ داغ مرزا صاحب کی سوانح عمری ہے جسے میں نے قیام حیدرآباد میں تالیف کیا تھا، اکثر خریداروں کے خطوط مرزا صاحب کے پتے سے آیا کرتے تھے جو میری عدم موجودگی میں مجھے بھجوا دیے جاتے تھے۔ کاغذ اور کارڈ سے مدّعا وہی تحریریں ہیں۔ عالم صاحب سے عموی سیّد افتخار عالم مراد ہیں کہ مرزا صاحب اُن کو عالم صاحب کہا کرتے تھے۔ مطبع شمسی ایک مطبع تھا جس میں جلوۂ داغ اور کچھ حصّہ فصیح اللغات کا چھپا تھا۔

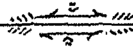


(۶۰)

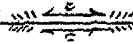
ایضاً

آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ جواب دیر میں آتا ہے میں پریشان رہتا ہوں۔ ہر طرح خیریت ہے۔ دو مہینے کے بعد دو دن بارش ہوئی ہے۔ اسناد کے الفاظ اور بھیجو۔ اس وقت طبیعت لگ گئی جو یہ شعر کہے۔

۲۶ر اگست ۱۹۰۲ء



راقم الحروف وطن آگیا تھا اور فصیح اللغات کے لیے اشعار سند بذریعہ خط منگواتا رہتا تھا اسی طرف یہ اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ اشعار اس خط کے جواب میں بھیجے گئے تھے اس کی اطلاع اس تحریر میں کی ہے۔



(۶۱)

ایضاً

احسن صاحب۔ پرسوں ناٹک یہاں سے پونے گیا۔ سراج الدین خاں صاحب گلدستہ تمھارے پاس روانہ کر چکے اس میں سے نقل غزل کی اور طرح آئندہ دیکھ لو۔ عمر خاں کو میں نے لکھ دیا کہ جاجم بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اس تاریخ پر اشعار کہہ کر تمھارے پاس روانہ کر چکا تم نے عمر خاں کو بھیج دیے

ہوں گے۔ صاحب عالم کو جُدا گانہ خط لکھیے کہ وہ میرے سامنے جزو پیش کریں دو کارڈ ملفوف بھیجتا ہوں، ایک مطلع طرح آیندہ میں کہا ہے وہ یہ ہے

بے قراری دمِ تحریر چھپے مشکل ہے　　میرے خط میں رگِ سطر بھی رگِ بسمل ہے

سب دوست و اعزّہ سلام کہتے ہیں۔ عالم صاحب کو میرا سلام پہنچے۔ عبدالغنی خاںؔ کا سلام قبول ہو۔

فصیح الملک داغ دہلوی

صاحب عالم مرزا خورشید عالم کا عُرف تھا۔ ہیں موصوف سے یہ طے کر آیا تھا کہ اشعار سند کے لیے نیز فصیح اللغات کا مسودہ آپ کی خدمت میں بھیجوں گا اور آپ اپنی وساطت سے استاد کی خدمت میں پیش کرتے رہیں۔ یہ اشارہ اسی طرف ہے۔

---

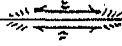
(۶۲)

ایضاً

سیّد علی احسن صاحب۔ طرح کا مصرع آپ نے نہیں بھیجا لہذا یہ خط واپس کیا جاتا ہے۔ مجھکو کشف نہیں ہوتا۔ میں اخبرا قبین میں نہیں ہوں فقط

۵ ستمبر ۱۹۰۲ء۔ فصیح الملک داغ دہلوی

میں نے ایک شاعر کے لیے غزل منگائی تھی مگر اپنے خط میں مصرع طرح لکھنا بھول گیا اسی پر یہ لکھا گیا تھا۔



(۶۳)

ایضاً

سید علی احسن صاحب۔ کئی مہینے کے بعد آپ کا ایک خط آیا تھا اس کا جواب فی الفور روانہ کیا گیا تھا۔ دوسرا خط رجسٹری شدہ آج پہنچا۔ کوئی تمھارا دشمن ایسا ہے کہ مارہرہ ہی میں خط تمھارا لے لیتا ہے۔ کئی مہینے میں یہ دو خط تمھارے آئے ہیں ورنہ میرے نام کا خط کہیں رُک سکتا۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کے پاس سے سب کچھ آچکا ہے ایک پلنگڑی ایک کرسی رہ گئی ہے وہ تمھاری بتاتے ہیں اُن کو لکھ بھیجو، انتخاب یادگار کے لیے میں اُن کو لکھوں گا دیکھیے وہ دیتے ہیں یا نہیں۔ یہ تذکرہ ساتھ رہنے کا تھا مگر نہ ملا۔ حضور بندگانِ عالی کی دِلّی فرودگاہ کا نشان یہ ہے۔ دلّی کیمپ حضور نظام لڈلو کیسل۔ کل ۱۸ دسمبر روز پنجشنبہ کو مہاراجہ مدارالمہام بہادر دلّی روانہ ہوں گے۔ اختر اور حافظ جلیل اُن کے ساتھ جائیں گے۔ تم جو یہ لکھتے ہو کہ میں تمھارے پاس رہوں گا۔ میں جہاں رہوں گا وہاں پرندہ بھی پر مار نہیں سکتا۔ بڑی فکر تو یہی ہے کہ میرا وطن، ہزاروں، ہزاروں آدمی میرے مشتاق، سینکڑوں خط چلے آتے ہیں اور میں سو پہروں

کے اندر ہوں گا۔ اہل اسٹاف کے خیمے کوٹھی سے ملے ہوئے ہیں خدا جانے کیا صورت ہو دلّی میں ٹھہرنے کا ٹھکانا مشکل ہی۔ اب کے جو خط تم مجکو لکھو تو دلّی بھیجنا اور یقین ہی کہ میرا خط بھی تمھارے پاس پہنچ گیا ہوگا۔ فصیح اللغات کی خرابی کا بڑا رنج ہی زیادہ کیا لکھوں۔ نواب میرحسن علی خاں آپ کو سلام کہتے ہیں۔ عالم صاحب کو بھی میں خط لکھ چکا ہوں سب کی طرف سے سلام پہنچے۔ سیّد افتخار عالم صاحب! نواب میرحسن علی خاں سلام کہتے ہیں فقط

فصیح الملک داغ دہلوی ۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء

یہ خط کسی اور کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہی۔ دستخط سُرخ روشنائی سے خود مرزا صاحب کے ہیں۔ کوئن وکٹوریا کے بعد لارڈ کرزن کے زمانے میں ایڈورڈ ہفتم کا جو دربار دہلی میں ہوا تھا وہاں جانے سے پہلے یہ خط بھیجا گیا تھا۔ امروہے کے ایک ڈاکٹر صاحب کچھ دنوں کے لیے حیدرآباد آئے تھے اُن کو کچھ سامان میں نے بھیج دیا تھا اور وہ سامان اُستاد مرحوم کا تھا اس کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں۔

---

(۶۴)

ایضاً

سیّد علی احسن صاحب۔ تمھارا خط اس وقت پہنچا۔ تمھارے

پہلے خط کا جواب میں روانہ کر چکا ہوں وہ پہنچا ہو گا۔ تم نے اپنا اسباب جو اپنے نام روانہ کیا، میرے نام روانہ کرتے تو بہتر ہوتا اور اس کی ایک فہرست لکھ کر میرے خط میں رکھ دیتے۔ واڑی کی راہ سے آنا اچھا ہے اگر قرنطینہ میں روکے جاؤ تو تار دینا میں اس کا انتظام کر دوں گا۔ حضور بندگانِ عالی کے شکار میں جانے کی خبر ایک مہینے کے بعد ہے۔ زیادہ خیریت۔

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ فصیح اللغات کے واسطے کسی کو لانا ضرور نہیں۔

فصیح الملک داغ دہلوی، ترپ بازار حیدر آباد دکن

۲۰ محرم ۱۳۲۲ھ

راقم نے ۱۹۰۹ء کے بعد حیدر آباد جانے کا جب قصد کیا تو اسباب کا ایک بورا جس میں کتابیں وغیرہ تھیں حیدر آباد اپنے نام سے روانہ کی تھیں جس کا اشارہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے مگر افسوس اس عمل کے بعد بھی میرا جانا نہ ہوا اور ۱۰۔۱۱ مہینے کے بعد مرحوم کا انتقال ہوگیا۔ میں نے ایک دفعہ یہ لکھا تھا کہ فصیح اللغات کے کام کے لیے اپنے ساتھ کسی اسسٹنٹ کو لاؤں گا اُس کے لیے منع کیا گیا۔ اُس زمانے میں طاعون وغیرہ کا زور تھا اس لیے حدود دکن میں بیرونی مسافروں کا قرنطینہ ہوتا تھا اور اس کا صدر مقام گلبرگہ تھا اسی کی بابت یہ لکھا گیا۔

---

(۶۵)

ایضاً

احسن صاحب۔ تمہارے پاس سے خط دیر میں آتا ہے۔ ماجرا کیا ہے۔ میر کاظم علی صاحب کے موقوف ہو جانے کا سخت رنج ہے۔ لطیف احمد صاحب ایک دن آئے تھے تو میں نے دریافت کیا تھا اس وقت بارق صاحب یہاں موجود ہیں آداب عرض کرتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔ سیّد عالم صاحب کہاں ہیں کس حال میں ہیں اُن کو بارق صاحب بہت بہت سلام کہتے ہیں۔ سراج الدین خاں صاحب سلام کہتے ہیں اور گلدستہ کی رسید طلب کرتے ہیں گلدستہ میں دو شعر چھپنے سے رہ گئے تھے وہ یہ تھے۔

حق تعالیٰ کی بڑی سرکار ہے　　عشق اس سرکار کا مختار ہے
بے خودانہ میں جو قدموں پر گرا　　کہتے ہیں وہ آدمی ہشیار ہے

یہ شعر بریلی کے گلدستے میں بھجوا دینا۔ آج حسن کا خط بریلی سے آیا وہ اپنے گلدستہ کی اشاعت بریلی سے چاہتے ہیں، میں کیا کر سکتا ہوں لوگوں سے کہا کوئی نہیں سنتا۔ دواوین کے باب میں تم نے جواب صاف نہ لکھا جو تم چاہتے ہو وہ میں لکھ چکا ہوں۔ تاجر نے کیا جواب دیا اُس سے جواب لے کر بھیجو۔ ذبیح نے جاجم ابھی نہیں بھیجی، وجہ درنگ کیا ہے۔

نواب حسن علی خاں و سراج الدین احمد خان صاحب و آثم آزاد

سلام شوق کہتا ہے فقط

فصیح الملک داغ دہلوی
۱۹؍ اگست سنہ ۱۹۰۲ء



عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی ترقی و اشاعت کے لیے بہت دنوں سے یہ ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دل چسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شایع کی جائیں۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کتاب **ہماری قومی زبان** ہے، جو اُردو کے ایک بڑے محسن اور انجمن ترقی اُردو (ہند) کے صدر جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے امید ہے کہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اُردو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸ ر

ہمارا رسم الخط

(از جناب عبدالقدوس صاحب ہاشمی)

رسم الخط پر علمی بحث کی گئی ہے اور تحقیق و دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اُردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے۔ گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

اُردو

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری۔ اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوتا ہے

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شایع ہوتی ہیں ان پر تبصرہ اس رسالے کی خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات رُپے سکۂ انگریزی (آٹھ رُپے سکۂ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک رُپیہ بارہ آنے (دو رُپے سکۂ عثمانیہ)

رسالۂ سائنس

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد سے شایع ہوتا ہے)

اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسایل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جائے دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا جو بحثیں یا ایجادیں ہو رہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسایل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شایع ہوا کرتے ہیں قیمت سالانہ صرف پانچ رُپے سکۂ انگریزی (چھ رُپے سکۂ عثمانیہ)

خط و کتابت کا پتہ: معتمد مجلس ادارت رسالۂ سائنس جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ہماری زبان

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ کو شایع ہوتا ہے۔

چندہ سالانہ ایک روپیہ۔ فی پرچہ ایک آنہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی